مسئلہ تکفیر و عدم تکفیر کا تنقیدی جائزہ



تالیف
حضرت مولانا مفتی شمشاد حسین رضوی

رضا دار المطالعہ
پوکھریرا، سیتامڑھی، بہار

نذرانۂ عقیدت

حضرت کا تصرف کہ ترجمہ لفظی ترجمہ نہ ہو کر روح البیان بن گیا۔ مترجم نے مخلوق کی رہبری کے لئے چھوٹے سرکار کے مقرب و ہمعصر ہمارے وطن میں آرام فرما اولیاء ہند میں شمار ایک ولی کامل کی سربستہ تعلیمات و ہدایات کو ہماری زبان میں پہنچانے کی ناقابل فراموش خدمت انجام دی۔

ترجمہ کی زبان، انداز بیان سہل اور عام فہم ہے جس کے اندر حوالہ جات کے ساتھ بزرگان دین کے مختصر تعارف نے چار چاند لگا دیئے ہیں۔ مقالات اور تعلیمات کا مقصد اصلاح نفس برائے معاشرہ ہے جس میں نجات کی راہیں عیاں ہیں۔ ترجمہ بمعہ مقدمہ خود میں اتنا مزئین اور مکمل ہے کہ مترجم کی قادر الکلامی اور ان کی علمی صلاحیتوں کا جیتا جاگتا شاہکار ہے۔ قارئین اس کے مطالعہ سے انشاء اللہ مستفید ہوتے رہیں گے۔

میری دلی دعا ہے کہ مترجم کی اس محنت کو اللہ پاک قبول فرمائے اور مترجم کو دنیاوی اور دینوی انعامات و اکرام سے نوازے، آمین۔ ہم سب اس کے لئے احسان مند ہیں۔

عبداللطیف خاں (ایم۔اے۔) بدایوں

جناب قبلہ مفتی شمشاد حسین رضوی صاحب مدظلہ العالی نے ہماری عرضداشت پر نخشبیؒ کی گنجینۂ معرفت و سلوک کی نادر و نایاب تصنیف 'سلک السلوک' کا سلیس اردو ترجمہ کر کے حضرتؒ کے مفہوم کو ایسے پیرایہ اظہار میں پیش کیا ہے جس کے لئے الفاظ نہیں ملتے۔ یہ حقیقت بھی واضح طور پر قابل تحسین ہے کہ اصل فارسی عبارت کی روشنی میں ترجمہ میں ذرہ برابر بھی فرق نہیں پڑتا۔ مفتی صاحب کی فنی علمی قابلیت میں اُن کی مہارت ایک کھلی ہوئی کتاب کے مانند ہے۔ اس کتاب کا مطالعہ کر کے ہم سب کے عروقِ مردہ میں خونِ زندگی دوڑنے لگے گا۔ ہم اُن کے شکر گزار ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ مفتی صاحب کو اپنی لازوال رحمتوں و برکتوں سے نوازے۔ مزید یہ بھی دعا ہے کہ اس کی برکت سے......

مفتی صاحب کو عمر و عز و جاہ ملے ‏ ‏ ‏ ‏ وہ بنیں سب اہل قلم کے محور

آمین۔

شمیم الدین صدیقی قادری (ایڈوکیٹ) بدایوں

HAZRAT NAKHSHABI ACADEMY
BUDAUN

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مسئلہ تکفیر اور عدم تکفیر کا تنقیدی جائزہ

حضرت مولانا مفتی محمد شمشاد حسین رضوی

نام کتاب مسئلہ تکفیر اور عدم تکفیر کا تنقیدی جائزہ

نام مؤلف حضرت مولانا مفتی محمد شمشاد حسین رضوی

کتابت محمد فاروق رضا

تزئین کار محمد صدیق رضا

مالک ونگراں محمد عنبر رضا

صفحات ۱۴۴

قیمت ۱۰۰/روپے

ناشر حضرت بخشی اکیڈمی بدایوں شریف یوپی

ملنے کے پتے

حضرت بخشی اکیڈمی محلہ چودھری سرائے بدایوں شریف یوپی

دارالعلوم شاہِ ولایت شاہِ ولایت روڈ محلہ قبولپورہ بدایوں شریف یوپی

مولانا احمد رضا حسن پور ضلع بانکا بہار

مکتبہ رحمانیہ، محلہ سوداگراں، بریلی شریف

جامعہ رضویہ محبوب العلوم ڈمراواں ضلع بانکا بہار

دارالعلوم فیضانِ مفتی اعظم، بھنڈی بازار، ممبئی

کتب خانہ امجدیہ، مٹیا محل، جامع مسجد، دہلی

شرفِ انتساب

ان عظیم المرتبت اور نادرِ زمن شخصیات کے نام جن کی ذواتِ مقدسہ سے نسبت و تعلق ہی حق وحقانیت کی دلیل ہے یعنی

الف......مجدد دین وملت، سیدی سرکار اعلیٰ حضرت الشاہ مولانا احمد رضا خاں فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان

ب......مرشدِ برحق، عارف باللہ، مردحق آگاہ حضور مفتی اعظمِ ہند الشاہ محمد مصطفیٰ رضا خاں بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان

ج......محقق اشل، متکلم ابجل، مفکر بے بدل حضور شمس العلماء علامہ محمد احمد المعروف بشمس الدین الجعفری الجونپوری مصنف قانون شریعت علیہ الرحمۃ

د......امام معقولات ومنقولات، ماہر علوم وفنون، صاحب کشور علم وحکمت حضرت علامہ الشاہ مولانا محمد سلیمان صاحب اشرفی بھاگلپوری علیہ الرحمۃ والرضوان

گر قبول افتد زہے عز وشرف

محتاج کرم

محمد شمشاد حسین رضوی

۶/اکتوبر ۲۰۱۵ء

فہرست

صفحات	مضامین	نمبر شمار
۶۶	ایراد ہفتم اور اس کا جواب	۱۸
۶۷	ایراد ہشتم اور اس کا جواب	۱۹
۶۹	باب پنجم:	۲۰
۶۹	بے حیا باش ہر چہ خواہی کن	۲۱
۷۰	ہاتھ کنگن کو آرسی کیا؟	۲۲
۷۶	باب ششم	۲۳
۷۶	تکفیر مسلم کا قضیہ	۲۴
۷۹	باب ہفتم	۲۵
۷۹	کفر اور ایمان کی وضاحت	۲۶
۷۹	ایمان کیا ہے؟	۲۷
۸۲	تکفیر، تعریف، شرائط اور موانع	۲۸
۸۴	تکفیر کے شرائط	۲۹
۸۵	تکفیر تعریف اور موانع	۳۰
۸۷	باب ہشتم	۳۱
۸۷	مقدمات کا تنقیدی جائزہ	۳۲
۸۸	مقدمہ اولی	۳۳
۹۳	مقدمہ ثانیہ	۳۴

☆☆☆☆

باتیں جو پڑھی جائیں

باتیں جو پڑھی جائیں'' یہ کتاب کی تمہید ہے یا اس کا مقدمہ......جس طرح عنوان میں سنجیدگی ہے ٹھیک اسی طرح اس کتاب میں بھی سنجیدگی پائی جاتی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ فکر وبینش بھی ......میں لفظوں کے شعلے اور تیروں کی بارش برسانے کو پسند نہیں کرتا کہ یہ رویہ آدابِ فکر وآگہی سے کافی دور ہے......جو لوگ لفظوں کے شعلے برسانا پسند کرتے ہیں وہ مسائل کے سلجھانے کے بجائے مسائل کو الجھا دیتے ہیں......

جس طرح کسی پر ظلم کرنا گناہ ہے......ٹھیک اسی طرح قدرت واستطاعت رہتے ہوئے ظلم سہنا بھی گناہ ہے......اگر طاقت وتوانائی نہ سہی! قلم ودوات تو ہے اور اگر یہ بھی نہیں ہے تو دل سے نفرت تو کر سکتے ہیں۔ یہ بھی ایک طرح کا جہاد ہے اور کلمہ حق بلند کرنا ہے۔ اس طرح کا فعل جس کی ذات سے صادر ہوتا ہے وہ لائق تکریم ہوتا ہے......فکر وشعور والا ہوتا ہے......اس کی ہر بات سے خوشبو آتی ہے......حسن وبانکپن اور شوخی کا انداز ہوتا ہے اس کا انداز استدلالی ہوتا ہے......اس کا رویہ علم وحکمت کا رویہ ہوتا ہے۔ مسلمانوں پر لازم ہے کہ جہاں کہیں ظلم کے خلاف آواز حق بلند کرنے کی بات آئے۔ تو فوراً آگے بڑھے اور اپنے فرض منصبی کو انجام دے......ظلم کرنے والا کیسا ہی تنومند ہو......طاقت ور ہو......اس سے گھبرانا نہیں چاہیے کہ آواز حق خود اپنے آپ میں طاقت رکھتی ہے......توانائی رکھتی ہے......حوصلہ اور ہمت رکھتی ہے......اجالوں کو جنم دیتی ہے اور اندھیروں کو دور رکھنے کی استطاعت رکھتی ہے

......یہ ذمہ داری جہاں ایک فرد کی ہوتی ہے......ٹھیک اسی طرح ایک قوم، ایک سماج اور ایک جماعت کی بھی ذمہ داری ہوتی ہے......ایک مسلمان اور کلمہ گو ہونے کے ناتے اس کا یہ فرض بنتا ہے کہ وہ کوئی ایسا کام نہ کرے جس سے اسلام اور مسلمانوں کو شرمندگی اُٹھانی پڑے ......اس بات میں کوئی شک نہیں کہ ایک عالم دین اور خطیب ملت ہو کر کسی غیر کی محفل میں جائے اور رام کتھا میں شرکت کرے......اسلام اور مسلمان دونوں کے لیے ندامت اور شرمندگی کا باعث ہے۔سب سے پہلا سوال یہی پیدا ہوتا ہے کہ وہاں گئے کیوں؟ غیروں کی محفل میں جانے کی ضرورت ہی کیا تھی؟ جب کہ اس طرح کی محفلوں میں جانے کی اجازت نہیں ہے۔اس محفل میں جانے کے بعد کس نے کیا کہا اور کس نے کیا نہیں کہا؟ یہ الگ نوعیت رکھتا ہے۔یہ بھی ایک عجیب اتفاق ہے کہ رام کتھا میں شرکت کا مسئلہ برسوں چھپا رہا کسی نے اس پر کچھ کہنے اور لکھنے کی ضرورت ہی محسوس نہ کی......میرے خیال میں یہ جماعتی نظام کی کمی ہے کہ ایسے مقرر اور خطیب کے خلاف کوئی آواز نہیں اٹھی......ہوسکتا ہے اس کے پیچھے بھی کوئی راز ہو......اس راز کو وہی جانتا ہوگا جسے اس بات کا دعویٰ ہے کہ پورا ہندوستان ہمارا ہے ......خیر جو ہوا سو ہوا......اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ہر کام کا ایک وقت ہوتا ہے جب وہ وقت آتا ہے تو اس کے ساتھ ساتھ وہ کام بھی ہو جاتا ہے جو وقت کے ساتھ مختص ہوتا ہے اس کے لیے کوئی انتظار نہیں کرنا پڑتا ہے......جب وقت کے ساتھ ساتھ کام بھی منصۂ شہود پر آ ہی جاتا ہے تو پھر کیا ضرورت ہے کہ ہم کسی کو دوشی قرار دیں اور کسی کو مورد الزام ٹھہرائیں......کام جب ٹھیک ٹھاک ہوتا ہے کسی کو کچھ کہنے اور سننے کی ضرورت ہی نہیں پڑتی ہے مگر جب وہ کام سماج وملت......اسلام وسنیت اور مذہب ومعاشرہ کے لیے نقصان دہ ثابت ہوتا ہے تو ہر کسی کو بولنا، لکھنا اور حکم شریعت کا اظہار کرنا ناگزیر ہو جاتا ہے جن لوگوں نے مولانا عبید اللہ اعظمی کے خلاف حکم شریعت کو ظاہر کیا۔اور حکم کفر صادر کیا......انہوں نے کوئی خطا نہیں کی ہے بلکہ انہوں نے وہی کیا ہے جو شرعی اعتبار سے انہیں کرنا چاہیے......ڈفلی بجانے والے بجاتے رہیں اس سے کچھ فرق پڑنے والا نہیں۔حق وہی ہے جو بڑی جماعت نے کہا۔بس میں اس

درخواست کے ساتھ اپنی بات ختم کرتا ہوں کہ سنجیدگی کے ساتھ میری کتاب کا مطالعہ کریں شاید اندھیروں میں ہدایت کی کوئی کرن چمک اُٹھے......اس کتاب میں درج ذیل مضامین کو بنیادی حیثیت حاصل ہے

الف......استفتاء اور جواب استفتاء (ناگپور)

ب...... دارالعلوم اشرفیہ مبارکپور کا فتویٰ

ج......ایک میرا مضمون جو رام کتھا میں کی گئی تقریر اور اشرفیہ کے فتویٰ کے تناظر میں لکھا گیا

د......کوئی مرشد انصاری ہیں جن کا سہارا لے کر کچھ سوالات کیے گئے۔ وہ سوالات اور ان کے جوابات بھی شاملِ کتاب ہیں

س......مولانا عبدالحق مصباحی کی کتاب ''موجودہ تکفیری شور وغوغا اور تکفیر مسلم پر تحقیقی نظر'' پر سنجیدہ فکر و تنقید

اربابِ فکر و دانش سے گزارش ہے کہ اس کتاب کا مطالعہ کریں اور ہوا کے رخ کو پہچاننے کی کوشش کریں......دورِ حاضر میں یہی وقت کی اہم ضرورت ہے

محمد شمشاد حسین رضوی

۶/ اکتوبر ۲۰۱۵ء

غلام مصطفیٰ نعیمی (مدیر اعلیٰ سوادِ اعظم دہلی)

بدلتا ہے رنگ آسماں کیسے کیسے؟

اسلام وہ مبارک ومسعود دین ہے جو اللہ تعالیٰ کی جانب سے اس کے بندوں کے لیے پسندیدہ مذہب ہے۔ اسلام کے تمام اصول وضوابط بڑے واضح اور صاف ہیں۔ اسلام خلط ملط کو پسند نہیں کرتا، نہ ہی اسلامی قوانین ایسے معاملات کو قبول کرتے ہیں جہاں مذہب کے نام پر عقائد کا گھال میل کیا جائے۔

ایک مسلمان کے لیے ہر حالت میں اسلامی تعلیمات ہی سرمایہ حیات اور دنیا وآخرت کی سب سے بڑی دولت ہے۔ ایک لمحے کے لیے بھی کسی مسلمان کو اسلامی شعائر سے روگردانی کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔ ارشاد ربی ہے:

یٰأیها الذین آمنوا ادخلوا فی السلم کآفة ولا تتبعوا خطوات الشیطان۔ (البقرة:۲۰۸)

اے ایمان والوں اسلام میں پورے داخل ہو اور شیطان کے قدموں پر نہ چلو۔ (کنز الایمان)

اس آیت کریمہ کا شان نزول بیان کرتے ہوئے امام الہند حضرت صدر الافاضل علیہ الرحمہ بیان فرماتے ہیں:

”اہلِ کتاب میں سے عبد اللہ بن سلام اور ان کے اصحاب حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کے بعد شریعت موسوی کے بعض احکام پر قائم رہے، شنبہ کی تعظیم

کرتے، اس روز شکار سے اجتناب لازم جانتے، اونٹ کے دودھ اور گوشت سے پرہیز کرتے اور یہ خیال کرتے کہ یہ چیزیں اسلام میں تو مباح ہیں ان کا کرنا ضروری نہیں، اور توریت میں ان سے اجتناب لازم کیا گیا ہے، تو ان کے ترک کرنے میں اسلام کی بھی مخالفت نہیں ہے اور شریعت موسوی پر بھی عمل ہو جاتا ہے۔ اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی اور ارشاد فرمایا گیا کہ احکام کا پورا اتباع کرو توریت کے احکام منسوخ ہو گئے اب ان سے تمسک نہ کرو۔ (تفسیر خزائن العرفان: ۵۸ مطبع فرید بکڈپو دہلی)

اس آیت کریمہ کے مفہوم میں ہلکے سے تفکر سے یہ بات بالکل صاف ہو جاتی ہے کہ اسلام میں مباح چیزوں کے تعلق سے بھی ادنیٰ سے گھال میل کی گنجائش نہیں ہے۔ حالانکہ آیت کریمہ میں جن کاموں سے منع کیا گیا وہ اسلام کی نظر میں حرام و کفر نہیں بلکہ درجہ اباحت میں تھے اور یہی قیاس کر کے حضرت عبد اللہ ابن سلام وغیرہم نے توریت کے احکام کا لحاظ کیا مگر رب کائنات کو یہ بات بھی پسند نہ آئی اور انہیں منع کر دیا گیا۔ اہل علم و دانش بخوبی سمجھ سکتے ہیں جب دیگر مذاہب کی رعایت کے لئے مباح کاموں مثلاً روزِ شنبہ کی تعظیم بھی گنجائش نہیں ہے تو ''معبودان باطلہ کی تعریف و توصیف'' کے جواز کے لیے ہاتھ پیر چلانا کون سی دانشوری اور عقل مندی ہے۔؟؟

معبودانِ باطلہ کی تعریف و توصیف کا قضیہ اور اس کے حامیان کا طرزِ عمل:

یہ قضیہ خطیب الہند مولانا عبید اللہ اعظمی صاحب کی ایک تقریر سے شروع ہوا، اعظمی صاحب نے گجرات کے ایک علاقے میں منعقدہ ''رام کتھا'' میں شرکت کرتے ہوئے ہندوؤں کے مشہور دیوتا ''رام'' کی تعریف و توصیف میں اپنی خطیبانہ صلاحیتوں کو بھرپور استعمال کیا اور اپنا زورِ بیان دکھاتے ہوئے ''رام'' کی تعریف میں وہ سب کچھ کہہ ڈالا جسے کہتے ہوئے ایک عام مسلمان بھی یقیناً سو بار سوچے گا۔ ملک کے کئی مقتدر مفتیان کرام نے اس تقریر کا سخت نوٹس لیا جبکہ جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے ارباب علم نے اس مسئلے میں مولانا اعظمی کا بھرپور ساتھ دیا۔

مولانا عبید اللہ خان اعظمی صاحب ایک زبردست خطیب کے طور پر پورے ملک میں منفرد شناخت رکھتے ہیں، کسی زمانے میں تو ان کی خطابت کا رنگ دیکھتے ہی بنتا تھا۔ خصوصاً شاہ بانو کے کیس میں جب مسلم پرسنل لا میں عدلیہ کی مداخلت کا معاملہ آیا تو ان دنوں اعظمی صاحب کی خطابت نے پورے ملک میں ایک آگ سی لگا دی تھی، مسلمانانِ ہند ان کی تقریروں سے متأثر ہو کر حکومت کے خلاف سڑکوں پر اتر آئے اور ایوان اقتدار میں زلزلہ سا آگیا تھا۔ بعد میں حکومت ہند کو جھکتے ہوئے مسلم پرسنل لا کے خلاف ہوئے فیصلے کو واپس لینا پڑا تھا۔

اس کے بعد مولانا اعظمی پارلیمینٹ کے ایوان بالا راجیہ سبھا کے لیے منتخب ہو گئے اور مختلف پارٹیوں میں رہتے ہوئے ۱۸، سال تک ممبر آف پارلیمینٹ رہے۔ لیکن پچھلے کافی وقت سے مولانا عبید اللہ اعظمی تنازعات کے گھیرے میں رہے ہیں۔ حالیہ تنازع بھی انہیں سے منسوب ہے جس کی سنگینی کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ ان کے خلاف فتویٰ تکفیر بھی جاری ہو گیا ہے۔

اصل صورت حال کیا ہے؟

مولانا عبید اللہ اعظمی صاحب صوبہ گجرات کے علاقہ 'رن کچھ' میں تقریری سلسلے میں گئے ہوئے تھے وہاں بقول ان کے کچھ احباب کے اصرار پر انہوں ایک ہندو پنڈت ''مراری باپو'' کے یہاں منعقدہ ''رام کتھا'' میں حصہ لیا اور خطاب بھی کیا۔ ان کے اسی خطاب کو لیکر معاملہ دارالافتا تک پہنچا اور وہاں سے حکم تکفیر جاری ہوا، اس فتویٰ پر محدث کبیر علامہ ضیاء المصطفی اعظمی سمیت قریب 50، نامور مفتیان کرام کے دستخط موجود ہیں۔ لیکن اس معاملہ میں نیا موڑ اس وقت آیا جب ملک کی مشہور درس گاہ جامعہ اشرفیہ مبارکپور (جہاں کی منتظمہ میں مولانا اعظمی ایک بااثر رکن بھی ہیں) سے محقق مسائل جدیدہ مفتی نظام الدین رضوی صاحب نے انہیں کلین چٹ عطا فرمائی اور عدم تکفیر کا حکم جاری کیا۔ اس فتویٰ پر بھی کئی اساتذہ اشرفیہ کے تائیدی دستخط موجود ہیں۔

مولانا عبیداللہ اعظمی کی تقریر کا خلاصہ:

مولانا عبیداللہ اعظمی کے موافق ومخالف سوال نامے اور ان کی تقریر کی سی، ڈی سننے کے بعد مولانا کی تقریر کے تین حصے کیے جاسکتے ہیں۔

(۱) مولانا کی تقریر کا وہ حصہ جس میں انہوں ہندوؤں کے مشہور دیوتا ''شری رام'' کے متعلق اپنے دلی جذبات کا اظہار کیا ہے۔

(۲) تقریر کے دوسرے حصے میں مولانا نے ''شری رام'' کی 'راون' کے خلاف لڑائی سے اسلامی جہاد کے جواز پر استدلال کیا ہے۔

(۳) تقریر کے تیسرے حصے میں مولانا نے ''مراری باپو'' کے متعلق اپنے اور اپنی اہلیہ کے قلبی جذبات کا اظہار فرمایا ہے۔ اب تینوں حصوں پر ایک نظر!

(۱) پہلے حصے میں ''شری رام'' کے تعلق سے اپنے خیالات ظاہر کرتے ہوئے مولانا اعظمی یوں گل افشانی فرماتے ہیں:

میں نے بحیثیت AS,A ایزاے مسلمان رام کو کس طرح دیکھا، شری رام کا وجود ایسا پاک اور پوتر وجود ہے، ان کا کریکٹر اتنا نرالا، پیارا اور بے مثال ہے، جو انٹلیکچول (دانشور) کلاس ہے۔۔۔ وہ شری رام کو امام ہند مانتا ہے، رام نام ہے سچائی کا جو جھوٹ کو پراست کرتا ہے، رام نام ہے مظلوم اور دکھی لوگوں کی حمایت کا جو ظلم کی گردن پکڑتا ہے، رام نام ہے سورج کی اس روشنی کا جس کے ذریعے اندھیرے دور ہوتے ہیں، رام نام ہے اس چاند کی چاندنی کا جس کے ذریعے لوگوں کو سکون ملتا ہے، رام نام ہے اس ٹھنڈی ہوا کا جو جھلساتی ہوئی دھوپ میں انسان کے لیے چھتر چھایا بن جاتی ہے، میں اسی رام کو جانتا ہوں جس نے نفرت کا کوئی سندیش انسانیت کو نہیں دیا، نفرت کے مقابلے میں محبت کے بادل برسائے، انسان کی کھوئی ہوئی عظمت کو واپس کروایا۔۔۔''۔

(۲) تقریر کے دوسرے حصے میں مولانا عبیداللہ اعظمی نے 'رام اور راون' کی لڑائی سے استدلال کرتے ہوئے جہاد کے جواز پر اس انداز میں جوہر خطابت دکھائے۔

سیتا جی (رام کی اہلیہ) کے ساتھ ایک آتنک وادی (دہشت گرد) نے آتنکت کرنے کی گھٹنا کی تھی ہم اسے راون کے نام سے جانتے ہیں، اس آتنک واد کے خلاف شری رام نے جہاد چھیڑا تھا۔

ایک چیز ہے آتنک واد جس سے ہمارا پورا ملک پیڑت (متاثر) ہے، ہمارا ہی ملک نہیں پورا سنسار پیڑت ہے۔ کسی کو آتنکت کرنا یہی تو ہے آتنک واد، اور جو ایسا کرتب کرے وہی ہے آتنک وادی، ایسے آتنک واد کے خلاف لڑنے کا نام نام عربی زبان میں جہاد ہے۔ اس لفظ جہاد کو اتنا اپوتر (ناپاک) کر کے رکھا، ناپاک لوگوں نے کہ جو لڑائی آتنک واد کے خلاف لڑنے کا ہتھیار تھا اسی ہتھیار کو آج آتنک کا نام دے دیا گیا''۔

(۳) اپنی تقریر کے تیسرے حصے میں مولانا نے یہ انکشاف کیا کہ جب وہ ملک کے سابق وزیر اعظم وی پی سنگھ کے ساتھ تھے تو انہوں نے اعظمی صاحب کو مشورہ دیا تھا ''عبید اللہ بھائی کبھی موقع ملے تو مراری باپو کے درشن ضرور کرنا''۔ مولانا اعظمی نے یہ بھی بتایا کہ ان کی نصف بہتر جب ٹی وی پر مراری باپو کو دیکھتی ہیں تو جب تک ان کا پروچن (مذہبی بیان) پورا نہیں ہو جاتا تب تک وہ ٹی وی بند نہیں کرتیں۔ اور جب مولانا اس 'رام کتھا' میں شامل ہونے کے لیے نکلے تو مولانا کی بیگم نے ان سے کہا کہ مراری باپو کو میری جانب سے آداب کہیں اور ایک سیکنڈ کا وقت نکال کر فون پر ان سے بات کرائیں تاکہ وہ ان کو سلام کر سکیں، یہ ان کا سوبھاگیہ (خوش نصیبی) ہوگا۔

یہ ہے مولانا عبید اللہ اعظمی صاحب کی تقریر کا خلاصہ جو ان کے اپنے سوال نامہ اور ان کی تقریر سے معلوم ہوا۔ جس سوال نامہ پر مولانا عبید اللہ اعظمی کے خلاف حکم تکفیر جاری ہوا اس میں تقریر کا وہ اقتباس درج ہے جسے ہم نے نمبر (۱) کے تحت تحریر کیا ہے۔ فتویٰ تکفیر پر قریب 50، علمائے کرام کے دستخط ہیں۔ اور حکم نامہ میں فتاویٰ رضویہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ ''کفار کے دیوتاؤں کی تعریف کرنا کفر صریح ہے''۔ قائل پر توبہ، تجدید ایمان و نکاح فرض ہے اور اس کی تقریر سننا جائز نہیں ہے۔

دوسرا سوال نامہ جس کے مستفتی خود مولانا عبید اللہ اعظمی ہیں، جامعہ اشرفیہ کے دارالافتا میں پیش کیا گیا۔ اس سوال نامہ میں تقریر کا دوسرا حصہ بھی نقل کیا گیا اور تیسرا حصہ چھوڑ دیا گیا۔

اس پر مفتی نظام الدین رضوی صاحب نے یہ حکم جاری فرمایا:

''تقریر کے اقتباس سے ظاہر ہے کہ غیر مسلموں کے خیالات کو بتاتے ہوئے انہی سے ان پر حجت قائم کی گئی ہے، جو خطیب کے زور بیان کی واضح دلیل ہے اس لیے اس تقریر سے خطیب کے ایمان پر کوئی آنچ نہیں آتی، بلکہ یہ تو اس کے ایمان کی نشانی ہے کہ مجمع غیر میں جا کر انہیں کی باتوں سے ان پر حجت قائم کر دی۔۔۔۔۔لہٰذا خطیب ہرگز دائرہ اسلام سے خارج نہیں وہ مسلمان ہے اور اس کی تقریر سننا جائز ہے۔

اب علما و عوام اہلِ سنت کیا کریں؟

ایک ہی مسئلے پر دو مختلف فتووں کے منظر عام پر آنے سے علما و عوام سخت بے چین ہیں، سمجھ نہیں آ رہا کہ کریں؟ کسی بھی ایک فتوے پر عمل کریں تو دوسرے فتوے کی رو سے خرمن ایمان جلنے کے دہانے پر ہے اور دونوں پر ایک ساتھ عمل ہو نہیں سکتا۔ ع

ایمان مجھے پکڑے ہے تو کھینچے ہے مجھے کفر : کعبہ میرے پیچھے ہے کلیسا میرے آگے

یہاں ہم ان فتووں پر قدرے تجزیاتی گفتگو کرتے ہیں تو درج ذیل نکات ہمارے سامنے آتے ہیں۔

(۱) جس فتوے میں حکم تکفیر جاری کیا گیا ہے اس میں مولانا اعظمی کی تقریر کے پہلے حصے کو سوال میں درج کیا گیا جس پر حکم کفر کا اطلاق کیا گیا ہے۔ بنیاد ہندو دیوتاؤں کی تعریف کرنا ہے۔ اور ایسا کرنا کفر صریح قرار دیا گیا ہے۔

اب یہاں پر مولانا عبید اللہ صاحب کا یہ اعتراض بے معنیٰ ہو جاتا ہے کہ ان کی تقریر کا مکمل حصہ استفتا میں درج نہیں کیا گیا۔ کیوں کہ حکم کفر ان کی تقریر کے اسی حصے پر لگا ہے جس میں انہوں نے کھلے دل سے 'شری رام' کی تعریف کرتے ہوئے ان کے وجود کو 'پاک و پوتر، اور بے مثل و بے مثال' اور امام ہند قرار دیا ہے۔ اور ساتھ میں یہ بھی کہا کہ امام کا رتبہ

سب سے بڑا ہوتا ہے۔ یعنی دوسرے لفظوں میں انہوں نے 'شری رام' کو ہند میں سب سے بڑے رتبے کا حامل قرار دیا ہے۔ اب ان کی تقریر کا دوسرا حصہ اگر درج نہیں بھی کیا گیا تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کیوں کہ پہلے حصے کا کفر دوسرے حصہ تقریر سے اٹھ نہیں جائے گا۔ ہاں زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا کہ قائل کو سامنے بلا کر اس سے اس کا نقطہ نظر جانا جاتا، صفائی کا پورا موقع دیا جاتا، ممکن ہے کہ قائل پر اس کی خطا واضح ہو جاتی اور وہ توبہ کی سعادت حاصل کر لیتا اور اس فتوے کی اجرا کی نوبت ہی نہیں آتی۔

مفتی نظام الدین صاحب کے فتوے میں جس طرح سے ابتدائی چند سطروں میں ہی خطیب کو ہر جرم سے بری کیا گیا ہے۔ اور جن الفاظ کا استعمال کیا گیا اس سے کچھ نئے سوال کھڑے ہوتے ہیں۔ مفتی صاحب اپنے فتوے میں تحریر فرماتے ہیں:

"تقریر کے اقتباس سے ظاہر ہے کہ غیر مسلموں کے خیالات کو بتاتے ہوئے انہی سے ان پر حجت قائم کی گئی ہے، جو خطیب کے زور بیان کی واضح دلیل ہے اس لیے اس تقریر سے خطیب کے ایمان پر کوئی آنچ نہیں آتی، بلکہ یہ تو اس کے ایمان کی نشانی ہے کہ مجمع غیر میں جا کر انہیں کی باتوں سے ان پر حجت قائم کر دی"۔

اس اقتباس سے صاف ظاہر ہے کہ مفتی صاحب کی نگاہ صرف تقریر کے اس حصے پر ہے جسے ہم نے نمبر (۲) کے تحت ذکر کیا ہے۔ اس لیے کہ 'راون' کے ذریعے 'سیتا جی' کے اغوا کے واقعہ کو دلیل بناتے ہوئے مولانا عبید اللہ اعظمی نے حجت قائم کی ہے۔ اور ان کے سامنے انہیں کے بھگوان کے طرز عمل کو پیش کر اسلامی جہاد کو جواز فراہم کرانے کی کوشش کی ہے۔

یہ بے شک 'زور بیان' کی واضح دلیل ہو سکتی ہے مگر! لاکھ ٹکے کا سوال یہ ہے کہ تقریر کا وہ حصہ جس میں مولانا اعظمی نے 'شری رام' کے متعلق 'زریں' خیالات کا اظہار کیا ہے وہ ان کے اپنے 'وچار' ہیں۔ غیر مسلموں کے نہیں؟ اور فتویٰ کفر کی بنیاد یہی خیالات ہیں۔ لیکن اس پر مفتی نظام الدین صاحب کا قلم ایک دم خاموش نظر آتا ہے۔ لیکن حیرت اس بات پر ہے کہ جب ایسا ہی ایک سوال کسی غیر معروف شخص کے نام سے آیا اور ملک کے ایک مستند دارالافتا

سے فتویٰ تکفیر جاری ہوا تو مفتی نظام الدین صاحب نے اس پر اپنے تائیدی دستخط فرمائے، مگر! مولانا عبید اللہ کے مستفتی بنتے ہی سارا منظر بدل گیا اور پہلے جس مسئلے پر حکم کفر پر تصدیق کردی گئی اس بار ویسے ہی مسئلے پر پراسرار خاموشی اختیار کر لی گئی۔ ملاحظہ کریں وہ فتویٰ۔

مسئلہ: زید ایک سنی مسلمان ہے، ایک سنی ادارے کا سربراہ اعلیٰ ونگراں ہے اور وہ ایک شاعر بھی ہے، اس نے ایک سبھا میں جو کہ تحصیل میں ہوا اس نے اپنے اشعار میں دیوی دیوتاؤں کی خوب تعریف کی اور انعام کا بھی حقدار ہوا۔ جو شعر ذیل میں ہے: کڑ کڑ میں بسے رام: من میں سیتا رام

وغیرہ اشعار پیش کیا۔ اس طرح کے اشعار پڑھنا جائز ودرست ہے یا نہیں؟

الجواب: غیر مسلموں کی دیوی دیوتاؤں کی تعریف کرنا ان کو عزت دینا ہے۔ مزید برآں زید کے شعر کڑ کڑ میں بسے رام: من میں سیتا رام سے ان کے دیوتاؤں کا اعزاز ظاہر ہے جو صریح کفر ہے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

وللہ العزۃ ولرسولہ وللمؤمنین ولکن المنٰفقین لا یعلمون۔

(المنافقون:۸)

لہٰذا زید اپنی اس حرکت قبیحہ اور کلمات کفریہ شنیعہ کی وجہ سے دائرہ اسلام سے نکل گیا اس پر لازم ہے کہ تجدید ایمان کرے اگر شادی شدہ ہے تو تجدید نکاح بھی کرے ۔۔۔۔کتبہ؛ محمد وقار علی احسانی ۲۹، ذی القعدہ ۱۴۲۸ھ ۔ الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی، محمد ابرار احمد امجدی۔ (فتاویٰ مرکز تربیت افتاء۔ج۔۲۔ص ۶۰)

اس استفتا اور فتویٰ کو بغور دیکھئے کہ اس میں بھی دیوی دیوتاؤں کی تعریف کا سوال ہے اور اس پر حکم کفر جاری کیا گیا، خود مفتی نظام الدین صاحب نے تصدیق کی مگر! مولانا عبید اللہ کے ان ''فصیح وبلیغ جملوں'' سے کس بنا پر صرف نظر کیا گیا سمجھ سے باہر ہے۔ یا پھر ایسا ہے کہ 'شری رام' کے تعلق سے مولانا عبید اللہ اعظمی نے اپنے جن زریں خیالات کا اظہار فرمایا ہے وہ

تعریف کے زمرہ میں نہیں آتے؟ اگر ایسا ہے تو یہ سوال منہ کھولے کھڑا ہے کہ آخر تعریفی جملے کیا ہوں گے؟ اور مولانا عبید اللہ کے ذریعے بیان کردہ ان جملوں کو کس خانہ میں رکھا جائے تعریف کے یا پھر تذلیل کے؟

اگر ان جملوں کو 'زور بیان' کی واضح دلیل سمجھا جائے تو ہر کس و ناکس کو کھلی چھوٹ مل جائے گی وہ غیر مسلموں کی مذہبی تقاریب میں شرکت کرے اور اپنا 'زور بیان' دکھا کر اپنی دنیا کو جنت بنائے۔ اور ویسے بھی مسلم دشمن تنظیم آر ایس ایس کا کہنا ہے کہ ہر ہندوستانی میں رام کا DNA ہے۔ اس لیے مسلمانوں کو بھی رام سے محبت کا ثبوت دینا چاہیے۔ اب اگر 'شری رام' کے تعلق سے کہے گئے مولانا عبید اللہ کے جملوں کو اعلیٰ درجے کی خطابت مان لیا جائے تو سارا جھگڑا ہی ختم ہو جائے گا۔ اور ہر مسلم خطیب ایسا زور خطابت دکھا کر اس مسلم دشمن تنظیم کو بھی خوش کر دے گا اور اس کے ایمان پر بھی کوئی آنچ نہیں آئے گی' بلکہ یہ اس کے ایمان کی نشانی' ہو گی۔

حیرت کی بات یہ ہے مفتی نظام الدین صاحب کے علاوہ سات آٹھ دیگر علما نے بھی اس فتوے کی تصدیق کی ہے مگر! کسی ایک نے بھی 'شری رام' کے متعلق کہے گئے تعریفی جملوں پر ایک لفظ بھی نہیں کہا۔ اگر ہم جیسے ناقص الفکر افراد مان بھی لیں کہ یہ جملے تعریفی نہیں ہیں۔ تو بھی کوئی فرق نہیں پڑنے والا ہے کیوں کہ محدث کبیر علامہ ضیاء المصطفیٰ اعظمی صاحب سمیت 50، سے زائد علما نے انہیں جملوں کو تعریف کے زمرہ میں رکھا ہے۔ حالانکہ پہلی نظر میں ہم جیسے کوتاہ فکر کی نگاہ میں بھی یہ جملے سراسر تعریف پر ہی مبنی ہیں، خود مولانا عبید اللہ اعظمی کا انداز تقریر اور ان کے ادب کی چاشنی میں گھلے ہوئے شیریں الفاظ بانگ دہل اعلان کر رہے ہیں کہ یہ جملے انہوں نے 'شری رام' کی تعریف و توصیف میں ہی ادا کیے ہیں۔

اب یہ وضاحت تو مفتی نظام الدین صاحب و دیگر تائید کنندگان کے اوپر عائد ہوتی ہے کہ وہ اپنی تحقیق کی روشنی میں یہ بات ثابت کریں کہ ان جملوں پر 'مدح' کی تعریف صادق نہیں آتی۔ اور مولانا عبید اللہ نے بلاوجہ ان کو محل تعریف میں استعمال کیا ہے۔

تقریر کا تیسرا حصہ:

اپنی تقریر کے اس حصے میں مولانا عبیداللہ اعظمی صاحب نے اپنے بارے میں کچھ حیرت انگیز انکشافات کیے ہیں، جنہیں سن کر یکبارگی تو جھٹکا لگا کہ کیا ایک سنی عالم کے گھر میں ایسا بھی ماحول ہوسکتا ہے؟ مولانا اعظمی نے 'مراری باپو' کے درشن کو اپنا 'سوبھاگیہ' سمجھتے ہوئے بیان کیا کہ ایک موقع پر ان کے سینیئر سیاسی رفیق سابق وزیر اعظم ہندوی پی سنگھ نے کہا تھا کہ ''عبیداللہ بھائی کبھی موقع ملے تو مراری باپو کے درشن ضرور کرنا''۔اور جب مولانا عبیداللہ صاحب 'رام کتھا' میں شرکت کے لئے گھر سے نکلے تو ان کی رفیقہ حیات نے 'مراری باپو' کے لئے اپنے جذبات کا اظہار کس طرح کیا اس کو خود مولانا کے لفظوں میں پڑھیں:

''میں جب آیا تو میری بیگم نے بھی مجھ سے کہا کہ میں جب بھی مرارری باپو کو ٹی وی پر دیکھتی ہوں تو جب تک ان کا پورا پروچن نہیں سن لیتی بند نہیں کرتی ہوں، میری طرف سے بھی انہیں آپ آداب کہیے گا اور اگر موقع ملے تو مراری باپو کو سلام کرنے کے لیے ایک سیکنڈ کا وقت نکال کر اپنا ٹیلیفون دے دیجئے گا تا کہ ان سے بات کرنے کا سوبھاگیہ ہمیں بھی حاصل ہوجائے''۔

یہ ہیں وہ زریں اور روشن خیالات جو مولانا عبیداللہ اور ان کی نصف بہتر 'مراری باپو' کے تعلق سے رکھتی ہیں۔

تقریر کا یہ حصہ دونوں سوال ناموں میں درج نہیں ہے۔اس لیے کسی بھی فتویٰ میں ان خیالات پر کوئی حکم بھی نہیں سنایا گیا۔لیکن جامعہ اشرفیہ مبارکپور کے سالانہ جلسہ دستار بندی میں مولانا عبیداللہ اعظمی نے دورانِ تقریر کہا کہ میرے خلاف فتویٰ تکفیر جاری ہوا ہے اور میں نے مفتی نظام الدین صاحب کی بارگاہ میں استفتا کیا اور انہیں اپنی تقریر کی سی ڈی سنائی اور یہ کہا کہ آپ بغیر میرا لحاظ کیے حکم شرع بیان فرمائیں تو انہوں نے میری پوری تقریر سننے کے بعد مجھے سبھی الزامات سے بری قرار دیا۔

مولانا عبیداللہ اعظمی کے اس بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ مفتی نظام الدین صاحب نے

اس تقریر کو سماعت کیا تھا۔ خود مفتی صاحب کی شناخت ایک زبردست محقق کے طور پر ہے اور اسی بنیاد پر آپ محقق مسائل جدیدہ کہے جاتے ہیں، اس لیے بجا طور پر یہ امید ہے کہ آپ نے تقریر کے ایک ایک حصے کو بغور سماعت کیا ہوگا۔ لیکن یہاں پہنچ کر خوش گمانی کو زبردست جھٹکا لگتا ہے کہ مفتی صاحب نے اپنے فتویٰ میں اس سنگین معاملہ پر ایک لفظ بھی تحریر نہیں فرمایا۔

وی پی سنگھ کے مولانا اعظمی کو دئے گئے مشورے سے لگتا ہے کہ مولانا اسی وقت سے 'مراری باپو' کے درشن کے مشتاق تھے۔ ایسا ہم اس لیے لکھ رہے ہیں کہ مولانا کے گھر کا ماحول اس بات کو بتاتا ہے۔ 'مراری باپو' کا پورا پروچن سنا جانا، اس پنڈت سے اس قدر عقیدت ہونا کہ ایک سنی عالم کی بیوی اپنے شوہر کے ذریعے ہندو بابا کو سلام کہلائے، طرفہ تماشا یہ کہ فون پر بات کرنے کی خواہش بھی ظاہر کرے، اور اس کو اپنے سوبھاگیہ (خوش نصیبی) پر محمول بھی کرے۔ اس پورے قضیہ کا سب سے خراب پہلو یہ ہے کہ مولانا عبیداللہ اعظمی ایک بار بھی اپنی بیگم سے یہ نہیں کہتے کہ یہ تم کیا کہہ رہی ہو؟ اور کہہ بھی کیسے سکتے تھے کیوں کہ گھر میں کسی ہندو پنڈت کا ستسنگ کوئی پہلی بار نہیں سنا گیا تھا بلکہ وہاں تو عالم یہ تھا کہ ''جب بھی مراری باپو کو دیکھتی تھیں تو مکمل سنے بغیر ٹی وی بند ہی نہیں کیا جاتا تھا''۔ اعظمی صاحب کے گھر میں ہندو پنڈت کا پروچن سنا اور دیکھا جانا اس بات کی کھلی شہادت ہے کہ خود مولانا اعظمی 'مراری باپو' کی عقیدت کے نشے میں سرشار تھے۔

افسوس تو اس بات کا ہے فروعی مسائل پر اپنی تحقیقات کے وقت بھوسے میں سے سوئی بھی تلاش کر لی جاتی ہے لیکن اتنے حساس اور نازک مسئلے پر نہ محقق مسائل جدیدہ کا قلم چلتا ہے اور نہ خیر الاذکیا کی ذکاوت کام کرتی ہے، مزید دیگر علمائے اشرفیہ بھی خاموشی کے ساتھ تصدیق کے منزلوں سے گزر جاتے ہیں۔

کیا یہاں واضح طور پر مولانا عبیداللہ اعظمی کا اثر ورسوخ نظر نہیں آتا، کیا اگر یہی سوال کسی غیر معروف خطیب کے حوالے سے کیا جاتا تب بھی جواب کا اسلوب ایسا ہی ہوتا؟ اور کیا

اب علمائے اشرفیہ 'مراری باپو' کے پروچن سننے اور اپنی خواتین کو اس سے بات کرانے پر کوئی شرعی حکم جاری فرمائیں گے؟۔

اسلام ملاوٹ کو پسند نہیں کرتا:

اسلام دنیا کو سچے راستے اور رب کی راہ کی طرف بلاتا ہے مگر زور زبردستی سے نہیں، بلکہ علم وعقل کی روشنی میں رہنمائی کرتا ہے۔احکام وعقائد میں کسی طرح کی ملاوٹ کو پسند نہیں کرتا اور نہ ایسے خیال رکھنے والوں کو اسلام نے کوئی بھاؤ دیا۔فرمان ربی ہے:

لکم دینکم ولی دین۔ (الکافرون:٦)

تمہیں تمہارا دین اور مجھے میرا دین۔(کنزالایمان)

یہ آیت کریمہ ان کافروں کے حق میں نازل ہوئی جنہوں نے حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا تھا کہ آپ ہمارے دین کا اتباع کیجیے،ہم آپ کے دین کا اتباع کریں گے،ایک سال آپ ہمارے معبودوں کی عبادت کریں،ایک سال ہم آپ کے معبود کی عبادت کریں گے۔سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کی پناہ! کہ میں اس کے ساتھ غیر کو شریک کروں ۔کہنے لگے تو آپ ہمارے کسی معبود کو ہاتھ ہی لگا دیجیے ہم آپ کی تصدیق کر دیں گے اور آپ کے معبود کی عبادت کریں گے۔(ماخوذ تفسیر خزائن العرفان:۱۰۸۵ مطبع فرید بکڈپو دہلی)

اس آیت کریمہ نے بالکل واضح کر دیا کہ اسلام کافروں کی رضا کے لیے کسی معمولی کام کو بھی پسند نہیں کرتا۔آیت کے شان نزول پر غور کریں کہ آخر میں کفار قریش نے صرف اس بات کا مطالبہ کیا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم صرف ان کے کسی جھوٹے خدا کی مورتی پر اپنا ہاتھ ہی رکھ دیں بس! اسی بات پر وہ آپ کی تصدیق اور اللہ کی عبادت پر تیار تھے۔مگر چونکہ ان کی کسی مورتی پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ لگانا ان کا اعزاز تھا اور اس میں ان معبودان باطلہ کی عزت تھی،اس لیے حضور علیہ السلام نے ان کے وعدۂ ایمان کے باوجود ان کے 'معبود' کو اعزاز دینے سے صاف انکار کر دیا۔مگر آج ایک جھوٹے خدا کی تعظیم کی درست قرار دینے کے لئے بڑے بڑے صاحبان علم ایڑی چوٹی کا زور لگائے ہوئے ہیں جو یقینا

ایک غلط اقدام اور وقار اسلام کو ختم کرنے کے مترادف ہے۔

اس درمیان مولانا عبید اللہ صاحب کی حمایت میں کئی تحریریں منظر عام پر لائی گئیں مگر ع

مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

ایک کے بعد ایک تحریر آتی رہی اور "رام" کی تعریف و توصیف کو جائز ٹھہرانے کے لئے سعی لاحاصل ہوتی رہی لیکن شاید خود "حامیان مدحت رام" مطمئن نہیں تھے اس لئے ہر بار ایک نئے زاوئے سے غور کیا جاتا اور مضمون لکھ کر پھیلایا جاتا اخیراً "مدحت رام" کو درست ٹھہرانے کے لئے سبھی دفاعی تحریروں کو یکجا کرکے علامہ عبد الحق مصباحی صاحب کے نام سے ایک کتاب "تکفیر مسلم پر تحقیقی نظر" منظر عام پر آئی۔ علامہ عبد الحق صاحب نے کچھ اعتراضات سے قصداً دامن بچاتے ہوئے مولانا عبید اللہ اعظمی کا بھرپور دفاع کرنے کی کوشش کی ہے۔ حالانکہ جتنا انہوں نے کوشش کی ہے اتنا ہی زیادہ پھنستے چلے گئے، کچھ مقامات پر انہوں نے اپنے "علامہ" ہونے کا اظہار بھی فرمایا ہے۔ علامہ عبد الحق صاحب نے مدحت رام اور اس کے اعزاز و تکریم کو جائز ٹھہرانے کے لئے کیا کچھ نہیں کیا کاش! وہ شخصیت پرستی کے حصار سے باہر نکل کر اس مسئلے پر غیر جانب دارانہ تجزیہ کرتے تو یقینا درست نتیجے پر پہنچتے۔

علامہ عبد الحق صاحب اور معاونین کی مشترکہ کاوشوں کی بدولت منظر عام پر آنے والی کتاب "تکفیر مسلم پر تحقیقی نظر" کا ایک تنقیدی جائزہ ادیب شہیر محقق عصر حضرت علامہ مفتی شمشاد حسین بدایونی نے لیا ہے۔ مفتی صاحب ملک کے ایک معروف صاحب قلم کے طور پر شناخت رکھتے ہیں۔

مفتی صاحب کی تحریریں متوازن، معقولیت سے بھرپور، علم و ادب سے مملو اور حقیقت کا آئینہ دار ہوتی ہیں۔ جوابی تحریر میں بھی ان کا انداز بڑا شستہ اور مہذب ہوتا ہے ہاں! ان کی پکڑ بڑی سخت ہوتی ہے اور فریق ثانی کو بچ نکلنے کا کوئی راستہ نہیں ملتا۔ پوری کتاب اسی انداز میں تحریر کی گئی ہے اور کہیں بھی قلمی پیکاری کا جذبہ نظر نہیں آتا اور نہ ہی

اپنے ''علامہ'' ہونے کا دعویٰ کہیں نظر آتا ہے۔ حضرت مفتی شمشاد رضوی صاحب نے بڑے معتدل اور معقول انداز میں خطیب موصوف اور ان کے حامیان کا تنقیدی جائزہ لیا ہے مگر اس تنقید میں تخریب نہیں بلکہ تعمیر اور اپنے ایک فرد کے لیے تڑپ اور محبت کے جذبات واضح طور پر نظر آتے ہیں، خود مفتی صاحب تحریر فرماتے ہیں:

''جو کسی مرض کا علاج کرتا ہے وہ دشمن نہیں ہوتا ہے بلکہ دشمن وہ ہوتا ہے جو انسان کو جھوٹی تسلی دیتا ہے اور لوریاں دے کر سلانے کی کوشش کرتا ہے...... اب دیکھتے ہیں بادل کب پھٹتا ہے...... ظلمتیں کس وقت دور ہوتی ہیں اور فوز مرامی کا کب سویرا ہوتا ہے ہم اس کے لئے سراپا انتظار ہیں۔''

علامہ عبد الحق مصباحی صاحب کے ہر پینترے کا مفتی صاحب نے بڑے پرسکون انداز میں دیا ہے، علامہ عبد الحق صاحب کی کتاب پڑھتے وقت ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جیسے ان کے آس پاس کئی سارے لوگوں کی ٹیم موجود تھی اور اور جس کے دماغ میں جو آرہا تھا وہ لکھا جارہا تھا اور ''شاید کسی کا حکم بھی سروں پر سوار تھا کہ جلدی جواب لکھا جائے اسی لیے ''علامہ موصوف'' کی کتاب میں ''بھاگم بھاگ'' والا منظر نظر آتا ہے، جبکہ مفتی صاحب کی کتاب پڑھتے وقت طمانیت وسکون کا احساس ہوتا ہے، دونوں کتابوں کا مطالعہ کرتے وقت آپ واضح طور پر یہ فرق محسوس کریں گے۔

اخیرا! ایک بار پھر ہم اپنے ان کرم فرماؤں سے عرض کرنا چاہیں گے جو'معبودانِ باطلہ کے اعزاز' کو جامہ جواز پہنانے کے لیے اپنے علم وعقل کا ہر حربہ آزما رہے ہے، کہ خدارا! اپنے او پر رحم کھاؤ اور ملت اسلامیہ کو اس راستے پر ڈالنے کی کوشش نہ کرو جس راستے کو ہمارے آقا حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابتدائے اسلام میں ہی بند فرما دیا تھا۔ اسی میں ملت کی عافیت ہے اور اسی میں وقار اسلام ومسلم ہے۔

OOOO

باب اوّل

پسِ منظر کا اعادہ

حضرات!

میں شدید کرب واضطراب میں اپنے دل کی بات آپ کے سامنے رکھ رہا ہوں......
میں کیا ہر ایک شخص جماعتی انتشار سے دُکھی ہو کر اپنی درد بھری داستاں بیان کر سکتا ہے۔ اشکِ غم بہا سکتا ہے۔ کفِ افسوس ملتے ہوئے اور سرد آہیں بھرتے ہوئے یہ بھی کہہ سکتا ہے: ہائے افسوس......ہائے افسوس......کل ہم کیا تھے؟ اور آج ہم کیا ہو گئے......کل جماعت اہلسنت میں......اتفاق تھا......اتحاد تھا......سب ایک دوسرے کے ساتھ مانند شیر وشکر تھے ......کل اس جماعت کی آواز ایک آواز ہوا کرتی تھی......لیکن آج جماعت کی جو پوزیشن ہے اور ہم اہلسنت جن حالات سے گذر رہے ہیں، یہ کسی قیامت سے کم نہیں......آج جماعت کا ہر ایک فرد اس طرح تڑپ رہا ہے جیسے کسی نے اس کے رستے ہوئے زخموں پر نمک چھڑک دیا ہو......نہ معلوم اس جماعت کو کس کی ''نظر بد،، لگ گئی ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جماعت میں اس طرح کے حالات کب اور کس طرح پیدا ہوتے ہیں؟ کیا ایسے حالات کے پیدا ہونے کا ذمہ دار ''جماعتی نظام'' ہو سکتا ہے یا پھر ''افرادِ جماعت'' میں سے کوئی فرد اس کا ذمہ دار ہے؟ اس سوال کا جواب تلاش کرنے سے پہلے میں دو حدیثیں پیش کرنے کی جرأت کر رہا ہوں......

پہلی حدیث......وعنہ (ابن عمر) قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ اتبعوا

السواد الاعظم فانه من شذ شذ فی النار رواه ابن ماجه من حدیث انس... (مشکوٰۃ شریف ص ۳۰)

ترجمہ..... حضرت ابن عمر سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا بڑی جماعت کی اتباع کرو کہ جو جماعت سے نکلا وہ جہنم میں ڈالا گیا ابن ماجہ میں یہی حدیث حضرت انس سے روایت کی گئی ہے۔

دوسری حدیث..... وعن ابن عمر قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم ان الله لا یجمع امتی او قال امة محمد علی ضلالة وید الله علی الجماعة من شذ شذ فی النار رواه الترمذی۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۳۰)

ترجمہ..... حضرت ابن عمر سے روایت ہے کہ بیشک اللہ تعالی میری امت یا محمد کی امت کو گمراہی پر جمع نہیں فرماتا ہے کہ جماعت پر اللہ کا ہاتھ ہوتا ہے جو جماعت سے نکلا وہ جہنم میں ڈالا گیا اسی حدیث کو ترمذی نے بھی روایت کی ہے.....

ان دونوں حدیثوں سے ثابت ہوتا ہے کہ بڑی جماعت کی بہر حال اتباع کی جائے اور اس کی پیروی میں پوری پوری کوشش کی جائے کہ جماعت کے خلاف چلنے میں بھیانک نتیجہ سامنے آسکتا ہے......اس سے یہ بھی واضح ہوتا ہے...... جماعت کی مخالفت، جماعت کی جانب سے نہیں ہوتی ہے بلکہ جماعت سیدھی راہ پر چلتی ہے...... ہاں اگر مخالفت ہوتی ہے تو صرف افراد جماعت میں سے کسی فرد کی طرف سے ہوتی ہے...... اس کا مطلب یہ ہوا کہ جماعتی انتشار کا سبب ''جماعتی نظام'' نہیں بلکہ اس کے قصور وار افراد ہوا کرتے ہیں اس مخالفت کا کیا انجام ہوتا ہے......؟ اس کا اندازہ بھی حدیث پاک سے ہوجاتا ہے اسی طرح کی بات ایک اور حدیث میں ہے...... یہ حدیث بھی مشکوٰۃ شریف میں ہے

تیسری حدیث . . . عن معاذ بن جبل قال قال رسول الله ﷺ ان الشیطان ذئب الانسان کذئب الغنم یاخذ الشاذة والقاصیة والناحیة وایاکم والشعاب وعلیکم الجماعة والعامة رواه احمد. (مشکوٰۃ شریف ص ۳۱)

ترجمہ......حضرت معاذ بن جبل سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیشک شیطان انسانوں کے لیے بھیڑیا ہے......بکریوں کے بھیڑیئے کی مانند کہ وہ اس بکری کو پکڑ لیتا ہے جو بکری اپنے ریوڑ سے الگ......دور اور ایک گوشہ میں پڑی ہوتی ہے ......لہٰذا تم اپنے آپ کو گھاٹیوں میں چھپے بھیڑیوں سے بچاؤ اور تم پر لازم ہے کہ جماعت کی پیروی کرو......

اس حدیث کے تناظر میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ اسی راہ پر چلو جس راہ پر جماعت چل رہی ہے کہ اسی میں فائدہ اور خیر و برکت ہے......انجام کار کی تباہی صرف محسوسات تک ہی محدود نہیں رہتی ہے بلکہ اس کا دائرہ ،،فکریات اور نظریات'' تک وسیع ہو جاتا ہے اور پھر فرد ایسا کام کر بیٹھتا ہے جس کی وجہ سے اس کی جانب انگلیاں اُٹھنے لگتی ہیں اور پھر وہ زمانہ بھر میں بدنام ہو جاتا ہے......یہ بدنامی بھی جماعت سے الگ ہونے کے نتیجہ میں واقع ہوتی ہے۔

جماعت تو اپنے وقار و بہار اور عز و شرف کو برقرار رکھتی ہے۔اس پر ذرا سی بھی آنچ نہیں آنے دیتی ہے۔ہاں مخالفت کا اگر کوئی برا اثر پڑتا ہے تو اس فرد پر جس نے مخالفت کر کے اپنے آپ کو ،،ہیرو،، بنا کر پیش کیا......ایسی صورت میں اس کا ،،ہیرو،، بننا تو بڑی بات ہے وہ کسی زیرو کے لائق بھی نہیں رہتا ہے......اسی بُرے کام کا یہ بھی انجام ہوتا ہے کہ وہ فرد کچھ نہ ہوتے ہوئے بھی اپنے آپ کو بہت کچھ سمجھنے لگتا ہے اور رفتہ رفتہ اس راہ سے وہاں تک پہنچ جاتا ہے جہاں جانے سے اسلام نے اپنے ماننے والوں کو روکا ہے......اور وہ راہ کبر و غرور کی راہ ہے......بغض و نفرت کی راہ ہے۔اس راہ پر چلنے والا کامیاب ہوا ہے، نہ ہوسکتا ہے۔اور ......جماعت سے الگ ہو کر چلنے والوں کو ہمیشہ یہ سبق یاد رکھنا چاہیے کہ

تکبر عزازیل را خوار کرد   بزندان لعنت گرفتار کرد

خود کو فکر و نظر کا پیکر اور شعور و اِدراک کا پتلا سمجھنے والے کو اتنی بھی خبر نہیں کہ

فرد قائم ربط ملت سے ہے باقی کچھ نہیں
موج دریا میں ہے بیرون دریا کچھ نہیں

حضرات گرامی!

میں قارئین کے سامنے ایک آئینہ پیش کر رہا ہوں۔ یہ وہ آئینہ ہے جو نہ صرف محسوس خدوخال ہی کو پیش کرتا ہے بلکہ اندرون شخصیت پائے جانے والے نشیب و فراز کو بھی نمایاں کر دیتا ہے اور یہ بھی بتا دیتا ہے کہ شخصیت میں کہاں اور کس مقام پر گڈھا ہے جہاں پانی مر رہا ہے اور وہ ابھار بھی دکھا دیتا ہے جہاں کسی کے کہے کا کوئی اثر نہیں پڑتا ہے......انسان بہر حال کیسا بھی ہو......اسے کچھ تو احساس ہونا چاہیے اور جہاں سرے سے کوئی احساس ہی نہ ہو وہ بھی کوئی انسان ہے؟ ہاں! وہ انسان کے نام پر ایک دھبہ ہے اور علم کے نام پر ایک سیاہ نکتہ ہے...... لیجئے وہ آئینہ آپ کے حوالہ ہے...... یہ آئینہ کوئی میرے گھر کا آئینہ نہیں ہے بلکہ مولانا عبدالحق خاں صاحب کے گھر کا آئینہ ہے......اس لیے میں خود ان کے گھر کے آئینہ کو پیش کرنا چاہتا ہوں...... یہ آئینہ خود مولانا کی اپنی تحریر ہے......اسے دیکھیے اور پھر غور کیجئے۔

"سچائی یہ ہے کہ اس کتاب (الموت الاحمر علی انجس اکفر) کو صحیح پڑھ کر سمجھنے والوں کی تعداد ہندو پاک کے اندر اقل قلیل ہے ....بہرا یجی فتویٰ لکھنے والے اور مصدقین کا مبلغ علم قبل ظہور خود آشکار ہے ان بیماروں کے لیے ،،الموت الاحمر،، کا پڑھنا اور سمجھنا کارے دشوار ہے پھر بھی اگر سمجھنا چاہتے ہیں تو بکرم سیدی و مرشدی سرکار مفتی اعظم ہند اور استاذ العلماء جلالۃ العلم ابو الفیض حضور حافظ ملت علیہ الرحمۃ کی بارگاہ کا "فیض یافتہ" عبدالحق خان رضوی پڑھانے اور سمجھانے کو تیار ہے)۔

(تکفیر مسلم پر تحقیقی نظر ص ۵۹)

دیکھیے......امولانا نے کس طرح ،،اہل علم اور ارباب فتاوی" کو پڑھانے کی بات کہی ہے نفسیاتی طور پر کوئی بھی انسان اس قسم کی بات اسی وقت کرتا ہے جب وہ ،،جواب آں

غزل'' سے عاجز و قاصر رہا کرتا ہے یا پھر اس وقت کرتا ہے جب اندر سے شخصیت کھوکھلی ہوتی ہے یہ بلند دعوے،، آواز دہل،، کی مانند ہیں...... ہر پڑھا لکھا انسان جانتا ہے کہ مولانا کا مبلغ علم کیا ہے......؟ سچائی تو یہ ہے کہ مولانا اس منصب کے لائق ہی نہیں۔ ہاں یہ کسی کی عنایتوں کا فیضان ہے کہ مولانا شہرستان فکر و شعور میں اپنا آشیانہ بنائے ہوئے ہیں۔ اسی لیے تو کہا گیا ہے کہ...... پیا جس کو چاہے سہاگن وہی ہے۔

حضرات! اب یہ دیکھنا ہے کہ بڑی جماعت کی آواز کیا ہے...... مولانا نے یہ بات کب کہی اور اس قسم کی بات کہنے کا سبب کیا ہے؟ اور اس کا پسِ منظر کیا ہے؟ اس کو سمجھنے کے لیے وہ سوال نامہ پیش ہے۔ جسے ناگپور کے فقہی سیمینار میں رکھا گیا تھا۔ اور اس کے ساتھ ساتھ ناگپور والا فتویٰ بھی حاضر ہے......

سوال نامہ اور اس کا جواب

ممبئی کے کسی عبداللہ نامی شخص نے یہ سوال مفتیان کرام کی خدمت پیش کیا۔ وہ سوال یہ ہے:

کیا فرماتے علماء کرام اس سلسلے میں کہ ایک شخص نے اپنی تقریر میں کہا...... میں نے ایز اے مسلمان رام کو کس طرح دیکھا۔ میری تاریخ اردو ادب نے شری رام کی حیثیت کو جنوایا، پہچانوایا ڈاکٹر سر محمد اقبال کی اس نظم کا حوالہ دوں گا جس نظم کا عنوان ہی ''رام'' ہے ڈاکٹر سر محمد اقبال لکھتے ہیں ؎

ہے رام کے وجود پہ ہندوستاں کو ناز　　اہلِ ہنر سمجھتے ہیں ان کو امام ہند

شری رام کا ''وجود'' ایسا پاک اور پوتر وجود ہے۔ ان کا کریکٹر اتنا نرالا پیارا اور بے مثال ہے کہ جو ''اینٹیلک چول،، کلاس ہے جو چیزوں کی گہرائی میں اتر کر ان کی حقیقتوں کی معرفت حاصل کرتا ہے وہ شری رام کو امام ہند ہی مانتا ہے۔ رام نام ہے...... سچائی کا جو جھوٹ کو پراجت کرتا ہے...... رام نام ہے مظلوم اور دُکھی لوگوں کی حمایت کا جو ظلم کی گردن پکڑتا ہے...... رام نام ہے۔ 'سورج' کی اس روشنی کا...... جس کے ذریعے اندھیرے دور ہوتے

ہیں......رام نام ہے چاند کی اس چاندنی کا جس کے ذریعہ لوگوں کو سکوں ملتا ہے......رام نام ہے اس ٹھنڈی ہوا کا جو جھلساتی ہوئی دھوپ میں انسان کے لیے چھتر چھایا بن جاتی ہے۔۔ میں اسی رام کو جانتا ہوں......جس نے نفرت کا کوئی سندیش انسانیت کو نہیں دیا۔نفرت کے مقابلے میں محبت کے اس نے بادل برسائے......ایسے شخص کے تعلق سے شریعت کا کیا حکم ہے؟اسے کسی دینی پروگرام میں بلانا یا اس کی تقریر سننا کیسا ہے بیوا اوتو جروا

سائل عبداللہ (ممبئی)

اس سوال کا جواب دیتے ہوئے علمائے کرام نے فرمایا:

الجواب: کفار کے دیوی دیوتاؤں کی تعریف کرنا کھلا کفر ہے فتاوی رضویہ مترجم میں ہے کفار کے دیوتاؤں کی تعریف کرنا کھلا کفر ہے۔

(ج/۱۴/ص/۶۲۵)

لہٰذا ایسا شخص دائرۂ اسلام سے باہر ہے اس پر توبہ،تجدید ایمان اور اگر بیوی رکھتا ہو تو تجدید نکاح فرض ہے۔اس کو پروگراموں میں بلانا اس کی تقریر سننا ناجائز و گناہ ہے۔واللہ تعالیٰ اعلم

مذکورہ سوال،،سیمینار رھال،میں پیش ہوا اور تقریباً ستر''ارباب افتاء''نے اس فتویٰ کی تصدیق فرمائی ہے۔یہ فتویٰ بڑی جماعت کا فتویٰ ہے بحکم حدیث اس کی اتباع کرنی چاہیے ......پیروی کرنی چاہئیے جو حکم دیا گیا تھا اس پر عمل کرنا چاہیے۔جس نے اس پر عمل نہیں کیا یا جو اس کے خلاف چلا......بنیادی طور پر اسے اس کے خلاف چلنے کی اجازت نہیں......اور اگر کوئی یہ سوچتا ہے کہ اس بڑی جماعت نے غلطی کی ہے تو ایسا بھی نہیں ہوسکتا ہے حدیث پاک میں اس غلط فہمی کا بھی ازالہ پایا جاتا ہے کہ بڑی جماعت کوئی غلط راہ نہیں اپنا سکتی ہے کہ تائید ایزدی جماعت کے ساتھ ہوا کرتی ہے......

یہ جواب سوال میں پوچھے گئے پہلوؤں کا احاطہ کیے ہوئے ہے اس میں کوئی بات ایسی نہیں ہے جس پر انگلی اُٹھائی جاسکے......اور جسے نہ ماننے کی ضد ہے انانیت اور ہٹ دھرمی

ہے اسے کیا کہا جائے...... میں نے نہایت ہی گہرائی سے اس فتویٰ کو پڑھا ہے اور پورے طور پر اسے سمجھنے کی کوشش کی ہے...... مجھے اس میں کسی قسم کی خامی یا کوتاہی نظر نہیں آتی ہے۔
فتویٰ نویسی اس قدر آسان نہیں ہے جس قدر کہ لوگوں نے آسان سمجھ رکھا ہے جب کوئی سوال کسی مفتی کے سامنے رکھا جاتا ہے تو ایک مفتی کو مفتی ہونے کی حیثیت سے اس بات پر غور کرنا چاہیے کہ سائل کیا پوچھ رہا ہے اور سائل کو کس مقام پر الجھن آرہی ہے اور اسے کہاں تردد ہو رہا ہے؟ عبداللہ نامی جس شخص نے جو سوال فقہائے کرام کے سامنے رکھا اس سے اس بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ سائل کو اس بات پر الجھن ہے

الف ......سائل اس بات میں الجھن کا شکار ہے کہ ہماری جماعت کے ایک عظیم خطیب اور مقرر کو کسی غیر کی ایسی تقریب میں شرکت جائز ہے جو مذہب کے نام پر منعقد کی جائے؟

ب ......خطیب نے جس طرح رام کی تعریف کی ہے کیا اس طرح کی تعریف کسی دیوی دیوتا کی جا سکتی ہے؟ اور کیا شریعت اسلامیہ اس کی اجازت دیتی ہے؟

ج ......ایسا خطیب جو رام کی تعریف میں بڑھ چڑھ کر حصہ لے کیا شریعت اس پر کوئی شرعی حکم نافذ کرتی ہے؟

د ......کیا ایسے خطیب کو کسی جلسہ میں بلانا جائز ہے؟

فتویٰ میں ان تمام پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی ہے......اس لیے فتویٰ صحیح اور درست ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆

باب دوم

ردِ عمل کا شاخسانہ

ناگپور کے سیمینار میں، میں نے محسوس کیا کہ بہت سے طلبا خدمت گار کے طور پر شریک تھے مگر وہ کسی اور کے لیے کام کر رہے تھے...... پل پل کی خبر دے رہے تھے کہ اب یہ ہو رہا ہے اور کل یہ ہوا تھا اور آئندہ کل کا منصوبہ یہ ہوگا...... بہر حال سچ سچ ہے کسی اور سے خوف کھانے کی ضرورت کیا ہے؟ یہ تو ظرف ظرف کی بات ہے کہ کس کے دل میں کس قدر گنجائش ہے اور کتنی وسعت ہے؟ بہر حال فتویٰ صادر ہوا کہیں ''ای میل'' کے ذریعہ بھیجا گیا اور ''فیس بک'' پر ''اپلوڈ'' کیا گیا اور فتویٰ ہر طرف پھیل گیا...... حضور حافظ ملت کے عرس سراپا قدس کے دوران مذکورہ بالا فتویٰ کے خلاف ایک فتویٰ صادر کیا گیا جو اس فتویٰ کے خلاف تھا...... میں پوچھنا چاہتا ہوں...... جب ایک فتویٰ جاری ہو گیا تو اس کے خلاف فتویٰ جاری کرنے کا جواز کیا تھا؟ اگر اس کی کوئی وجہ ہو تو بتائی جائے...... میرے خیال میں اب تک اس کی کوئی جائز وجہ سامنے نہیں آئی ہے...... ہو سکتا ہے کوئی یہ کہے کہ اس میں کیا بات ہے؟ ایسا تو ہوتا ہی رہتا ہے کہ سائل ایک ہی سوال مختلف ''دار الافتاء'' کو بھیج دیا کرتا ہے اور ہر دار الافتاء سے اس کا جواب بھی دیا جاتا ہے اور اس میں کوئی قباحت نہیں ہے...... ہاں میں بھی کہتا ہوں کہ اس میں کوئی قباحت نہیں ہے نہ شرعی طور پر اور نہ ہی سماجی

طور پر......میرے خیال میں اس دوسرے فتویٰ کو جاری کرنے کے مختلف وجوہات ہو سکتے ہیں......

الف ...... یہ کہ کسی دار الافتاء کے مفتی کو اس بات کی جانکاری نہیں ہوتی ہے کہ اسی سوال کا جواب کہیں اور سے آیا ہے یا آئے گا اس لیے وہ بے باک ہو کر جواب دیتا ہے

ب......اور اگر کسی کو اس بات کی جانکاری بھی ہو جاتی ہے اس کے باوجود وہ جواب دینے سے احتراز نہیں کرتا ہے کہ وہ جواب کسی بڑی جماعت کا جواب نہیں ہوتا ہے بلکہ یہ جواب فرد کا جواب ہوتا ہے اگر اس میں اختلاف بھی ہو جاتا ہے تو یہ اختلاف ممدوح ہوتا ہے اور اسی اختلاف کو حدیث پاک میں ''رحمت'' سے تعبیر کیا گیا ہے

مگر یہاں تو اس میں سے کوئی بھی صورت نہیں تھی ......سائل نے خود اس بات کی وضاحت کر دی تھی کہ وہ ناگپور کے فتویٰ کے خلاف فتویٰ لینے کی کوشش کر رہا ہے......سائل اپنے سوال کے تناظر میں ایک بڑی جماعت کے خلاف کھڑا تھا اور ارباب فکر و دانش سے مقابلہ آرائی کی جرأت کر رہا تھا......اور اگر فرض کر لیا جائے کہ سائل نے کچھ بھی ذکر نہیں کیا ......تو مفتی کو اپنی ایمانی فراست کو بروئے کار لانا چاہیے کہ جو ایسا نہیں کرتا ہے وہ مفتی ہی کب رہتا ہے جیسا کہ کہا گیا ہے من لم یعرف اهل زمانه فهو جاهل کہ جو اہلِ زمانہ کے مزاج کو نہ سمجھے وہ جاہل ہے......نادان ہے...... یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ جو نفسیاتی طور پر اس قدر بیمار ہو کہ اسے خود اپنا ہوش نہ ہو۔ اس کے ہاتھ میں قلم دے دینا کہاں کی دانشمندی ہے؟......یہ تو پانی میں آگ لگانے کے مترادف ہے......اب سوال فتویٰ دینے کا نہیں بلکہ ایسوں کو یہ ذمہ داری سونپنے پر سوال ہے؟ یہ خطا ارباب حل و عقد کی ہے اور قوم کے تئیں دھوکہ دہی ہے۔ امانت میں خیانت ہے......

بہر حال یہ دوسرا فتویٰ بے جا جانب داری......فرد واحد سے خوف کھانے......اور جماعتی نظام کے تقاضوں کو نظر انداز کرنے جیسے منفی جذبات پر مبنی تھا......ذرا دیکھیے تو سہی یہ کتنا بڑا حوصلہ ہے؟

شیشے کے گھر میں بیٹھ کر پتھر ہیں پھنکتے
دیوار آہنی پہ حماقت تو دیکھیے

اس لیے میں کہتا ہوں کہ ''جماعتی انتشار'' کا ذمے دار یہی دوسرا فتویٰ ہے۔فردِ واحد کی مخالفت تو برداشت کی جاسکتی ہے......مگر پوری جماعت کی مخالفت کو برداشت نہیں کیا جاسکتا ہے......اس دوسرے فتویٰ سے جو اختلاف سامنے آیا وہ ممدوح اختلاف نہیں ہے بلکہ یہ اختلاف مذموم ہے اس کی جس قدر مذمت کی جائے کم ہے......یہ فتویٰ ،فتویٰ نویسی کے اُصول پر نہیں لکھا گیا ہے اس میں بہت سے اصولوں کو نظر انداز کر دیا گیا ہے اس لیے اس رد عمل کے خلاف لوگ اُٹھ کھڑے ہوئے اور آزادانہ طور پر انہیں جو کہنا تھا انہوں نے کہا ......اس بابت تین تحریریں سامنے آئی ہیں جو میری معلومات میں ہیں......ان تحریروں کو پیش کر دینا مناسب تصور کرتا ہوں......مگر کہیں کہیں......بعینہ پیش کرنے میں بڑی دشواری ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆

بابِ سوم

ایک روشن مینار اختلاف کے اندھیروں میں

عزت اور ذلت اللہ پاک کے ہاتھ میں ہے..... وہ جسے چاہتا ہے۔عزت سے نواز دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے ذلت و رسوائی کے گھُپ اندھیروں میں ڈال دیتا ہے..... کبر و غرور ۔مذموم انفرادیت اور اپنے آپ کو سب سے بڑا تصور کرنا ذلت و رسوائی کی علامتیں ہیں ..... ہر انسان کو چاہیے ان علامتوں سے مکمل طور پر اجتناب کرے اور مسلمان ہونے کی حیثیت سے اور بھی زیادہ بچنا چاہیے..... جہاں تک اہل علم اور پڑھے لکھے افراد کی بات ہے انہیں تو ان علامتوں کے قریب بھی نہیں پھٹکنا چاہیے کہ نہ معلوم ان علامتوں کے سبب بزرگوں کے فیوض و برکات کب منقطع ہو جائیں..... جو انسان ان علامتوں کا پیکر ہوتا ہے وہ نہایت ہی جری اور بے باک ہو جاتا ہے اور حد تو یہ ہے کہ وہ بڑوں کی بارگاہ کا گستاخ بن جاتا ہے چاہے اس کے بڑے خود اس کے اپنے ہی کیوں نہ ہوں؟..... یہ انسان کی وہ بگڑی ہوئی عادت ہوتی ہے جو اسے کہیں کا نہیں رکھتی ہے..... تاریخ گواہ ہے ایسے ہی ناخلف افراد نے سرمایہ حیات کو برباد کر دیا ہے اور علم و فکر، شعور و ادراک کے روشن مینار کو اندھیروں میں دھکیل دیا ہے..... سچ تو یہ ہے اسی مقام سے اختلاف جنم لیتا ہے اور بگڑتی انفرادیت اسے اپنے دامن کی ہوا سے پرورش کرتی ہے معاملہ اسی پر ختم نہیں ہو جاتا ہے بلکہ رفتہ رفتہ اسی اختلاف کو

انانیت، بغض وعناد کے پانی سے سیراب کیا جاتا ہے اور پھر اختلاف کو ''اختلافِ مذموم'' کے دائرہ میں داخل کر دیتا ہے...... یہ مت پوچھیے کہ اس اختلاف کا اثر کہاں کہاں پہنچتا ہے بلکہ یہ پوچھیے کہ کہاں کہاں نہیں پہنچتا ہے......اس کا خطرناک اثر دور دور تک پہنچتا ہے یہی وہ اختلاف ہے جو فکر کے دھاروں کو بدل دیتا ہے...... پھر جس بات کو انسان سوچنا چاہتا ہے وہ سوچ نہیں پاتا ہے اور جو نہیں سوچنا چاہتا ہے اسی کو سوچ لیتا ہے۔ یہ نہ صرف انسانیت کے خلاف ہے بلکہ ادبی تقاضوں کے بھی خلاف ہے۔ انصاف اور دیانت کے بھی خلاف ہے...... کبھی کبھی اختلاف کے اندھیرے اس قدر شدید ہو جاتے ہیں کہ شعور والے بھی بے شعور ہو جاتے ہیں اور عقل رکھتے ہوئے بھی بے عقلی کا ثبوت دیتے ہیں...... ایسی صورت میں کسی کو اس بات کا احساس تک نہیں ہوتا ہے کہ یہ اندھیرے کس راستے سے آجاتے ہیں اور اجالوں کی بستی میں اپنا بستر اجما لیتے ہیں۔ ایسے ہی اندھیروں میں ایک اندھیرا بیجا حمایت اور جانب دارانہ رویہ بھی ہے جس کی یہاں توضیح درکار ہے مگر اس سے پہلے کہ میں اس کی وضاحت کروں۔ کچھ تمہیدی کلمات پیش کیے جا رہے ہیں......

ادبی نقطۂ نظر کے اعتبار سے غزل کا ہر ایک شعر ایک اکائی ہوتا ہے یعنی اس اکائی کو سمجھنے کے لیے خود وہ شعر کافی ہوتا ہے کسی اور کے ضم ضمیمہ کی ضرورت نہیں پڑتی ہے......ہاں نظم کا کوئی شعر اکائی نہیں ہوتا ہے بلکہ ہر ایک شعر کا ایک دوسرے کے ساتھ ربط و تسلسل بر قرار رہتا ہے...... یہ تو شعری ادب کی بات تھی۔ جہاں تک نثری ادب کی بات ہے تو اس بارے میں چند باتیں پیش کرنا ضروری سمجھتا ہوں

الف......نثری ادب کی تشکیل بہت سے جملوں، ترکیبوں سے ہوا کرتی ہے اور جملوں کی تشکیل لفظوں سے ہوتی ہے اور لفظوں کی ساخت حرفوں سے ہوا کرتی ہے

ب......نثری ادب میں جو بھی لفظ یا جملہ استعمال کیا جاتا ہے وہ بآسانی سمجھا جا سکتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ نثری ادب میں استعمال کیے گئے الفاظ لغت میں بتائے گئے معانی سے سمجھ میں آجاتے ہیں اس لیے کہ شعری ادب کے لفظوں کا دامن تنگ ہوتا ہے اس کے برعکس

شعری ادب کے لفظوں کا دامن بہت زیادہ وسیع ہوا کرتا ہے اسی لیے اس کا ''معنیاتی نظام'' بدلتا رہتا ہے......

ج......نثری ادب میں جو جملہ استعمال کیا جاتا ہے وہ مکمل ہوتا ہے ناقص نہیں ہوتا ہے اسی لیے نثری ادب میں مکررات کو حسن وخوبی کے طور پر لیا جاتا ہے مگر شعری ادب میں ایسا نہیں ہے......

د......نثری ادب کا ہر ایک جملہ اپنے آپ میں مستقل ایک قضیہ ہوتا ہے نہ وہ کسی مقام سے کچھ لیتا ہے اور نہ ہی کسی حالت سے کچھ کشید کرتا ہے تو پھر کیا ضرورت ہے کہ ہم کسی جملہ کو سمجھنے کے لیے کسی حالت یا کسی مقام کے محتاج بنے رہیں......

س......جو جملہ غلط ہوتا ہے تو بہر حال غلط ہوتا ہے کوئی مقام اسے درست نہیں کرسکتا ہے۔کوئی جملہ اچھا ہے یا برا ہے وہ اپنے آپ بتاتا ہے کہ ہم کیا ہیں اچھے ہیں یا برے ہیں کسی کے کہنے سے نہ کوئی جملہ اچھا ہوتا ہے اور نہ ہی کوئی جملہ برا ہوتا ہے

ش......دانشوروں پر لازم ہے جملہ کو جملہ کی حیثیت سے دیکھیں کسی کے کچھ کہنے یا نہ کہنے کا کوئی اعتبار نہ کریں اور جہاں ایسا کیا جاتا ہے تو پھر دانشوروں کی حیثیت مجروح ہوجاتی ہے اور غیر جانب داری کے تنگ گھیرے میں گھر جاتے ہیں

یہ تمہیدی کلمات بلا وجہ پیش نہیں کیے گئے ہیں بلکہ یہ وہ'' گائڈ لائن'' ہے جس کے پاس ولحاظ سے مقالوں ،اور تقریری جملوں کے سمجھنے میں مدد ملتی ہے اور ہواؤں کے رخ کو سمجھنے میں آسانی ہوتی ہے۔یہ وہ باتیں ہیں جن کا انکار کوئی بھی دانشور اور انصاف پسند انسان نہیں کرسکتا ہے اور جس کی گھٹی میں عصبیت بغض وعداوت پائی جاتی ہے اس سے انصاف کی امید نہیں رکھی جاسکتی ہے وہ تو انگارہ اگلتے ہی ہیں اور اگلتے ہی رہیں گے......خیر یہ ان کا کام ہے وہ جانیں اور مجھے جو کرنا ہے ہم کر رہے ہیں۔

اب مولانا عبیداللہ خاں اعظمی کی تقریر کا وہ حصہ پیش کیا جارہے جس پر تنازع اُٹھ کھڑا ہوا ہے......مولانا عبیداللہ خاں صاحب خود لکھتے ہیں:

میں نے ایزے مسلمان رام کو کس طرح دیکھا میری تاریخ اردو ادب نے شری رام کی حیثیت کو جنوایا، پہچانوایا ڈاکٹر سر محمد اقبال کی اس نظم کا حوالہ دوں گا جس نظم کا عنوان ہی ''رام'' ہے ڈاکٹر سر محمد اقبال لکھتے ہیں ۔

ہے رام کے وجود پہ ہندوستاں کو ناز اہلِ ہنر سمجھتے ہیں ان کو امامِ ہند

شری رام کا وجود ایسا پاک اور پوتر وجود ہے، ان کا کریکٹر اتنا نرالا پیارا اور بے مثال ہے کہ جو''اینٹیلک چول،، کلاس ہے جو چیزوں کی گہرائی میں اتر کران کی حقیقتوں کی معرفت حاصل کرتا ہے وہ شری رام کو امام ہند ہی مانتا ہے رام نام ہے سچائی کا جو جھوٹ کو پراجت کرتا ہے، رام نام ہے مظلوم اور دُکھی لوگوں کی حمایت کا جو ظلم کی گردن پکڑتا ہے۔ رام نام ہے سورج کی اس روشنی کا جس کے ذریعے اندھیرے دور ہوتے ہیں ......رام نام ہے چاندکی اس چاندنی کا جس کے ذریعہ لوگوں کو سکون ملتا ہے ......رام نام ہے اس ٹھنڈی ہوا کا جو جھلساتی ہوئی دھوپ میں انسان کے لیے چھتر چھایا بن جاتی ہے، میں اسی رام کو جانتا ہوں جس نے نفرت کا کوئی سندیش انسانیت کو نہیں دیا۔ نفرت کے مقابلے میں محبت کے اس نے بادل برسائے۔ انسان کی کھوئی ہوئی عظمت کو واپس کروایا سیتا جی کے ساتھ ایک آتنک وادی نے جو آتنک کرنے کی گھٹنا کی تھی ہم اسے ''راون'' کے نام سے جانتے ہیں اس آتنک واد کے خلاف شری رام نے جہاد چھیڑا تھا ایک چیز ہے آتنک واد جس سے ہمارا پورا ملک پیڑت ہے...... ہمارا ہی ملک نہیں پورا سنسار پیڑت ہے کسی کو آتنکت کرنا یہی تو ہے'' آتنک واد'' اور جو ایسا کرتا ہے وہی ہے آتنک وادی ایسے آتنک واد کا توڑ اور ایسے آتنک واد کے خلاف لڑنے کا نام عربی زبان میں جہاد ہے، اس لفظ جہاد کو اتنا اپوتر کر کے رکھا ناپاک

لوگوں نے کہ جو لڑائی آتنک واد کے خلاف لڑنے کا ہتھیار تھا اسی ہتھیار کو آج آتنک واد کا نام دیا گیا جہاد نام ہے جد و جہد کا...... پریشرم کا۔ پازیٹو وے میں پریشرم کا نام جہاد ہے نیگیٹو وے میں پریشرم کا نام آتنکواد ہے......اسی نگیٹیو میں جب پریشرم کیا تھا راون نے......تو شری رام نے اس کے خلاف جد و جہد کیا تھا......مانوتا کی عزت بچانے کے لیے صرف سیتا جی کی عزت کا سوال نہیں تھا......قیامت کی صبح تک پیدا ہونے والی ان تمام سیتاؤں کی عزت کا سوال تھا جن کی عزت بچانے کے لیے رام نے اپنے جہاد کا قدم اُٹھایا تھا......اس عظیم کا نام لیتے ہی نفرت کا خاتمہ ہوتا ہے...... جہاں وہ نام لیا جائے اور وہاں بھی سماج میں نفرت موجود ہو تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم شری رام کا نام زبان سے تو لیتے ہیں...... اپنے عمل میں اپنے کرتب میں اپنے سنسکار میں رام کو داخل نہیں کرتے......تو آج کی اس مجلس میں، میں بہت زیادہ کچھ نہیں کہونگا۔ میں صرف اتنا ہی کہوں گا......

(صحیح فتویٰ ص ۲، ۳)

میں نے "عبید اللہ خاں" کے سوال نامہ میں درج تقریر کا پورا حصہ آپ کے سامنے پیش کر دیا ہے حالانکہ مجھے معلوم ہے اس کے مطالعہ سے قارئین کو ضرور افسوس ہوگا۔ لیکن اتمام حجت کے لیے ایسا کرنا ضروری تھا تاکہ پھر مقرر صاحب کو یہ کہنے کا موقعہ ہاتھ نہ آئے کہ "میری تقریر کا تھوڑا سا حصہ سوال میں نقل کر کے حکم کفر جاری کر دیا گیا ہے۔ اور باقی ضروری حصے کو چھوڑ دیا گیا ہے جیسے کوئی "لا تقربو الصلوٰۃ (نماز کے قریب نہ جاؤ) سے استدلال کرے اور" وانتم سکریٰ" (جب کہ تم نشے میں ہو) چھوڑ دے" یہ استدلال بھی کس قدر بے موقع اور بے محل ہے؟ کہاں آیت کریمہ اور کہاں آنجناب کی تقریر؟ فکر و نظر کے اعتبار سے بھی یہ استدلال درست نہیں کہ آیت پاک کے دونوں جملوں میں جو التزام پایا

جاتا ہے وہ التزام جناب والا کی تقریر کے دو جملوں یا دو حصوں میں نہیں پایا جاتا ہے اسی لیے ''انتم سکُری'' کو نہیں چھوڑا جا سکتا ہے اور آپ کی تقریر کے کسی بھی حصہ پر کوئی حکم نافذ کیا جا سکتا ہے اور اس کے دوسرے حصہ کو چھوڑا جا سکتا ہے۔ یہ دانشوری کی بات ہے اور جہاں تک غیر دانشمندانہ اقدام کی بات ہے تو اسے کوئی بھی انجام دے سکتا ہے......کون کس کو روکے گا؟

تقریر کا تجزیاتی مطالعہ

عبید اللہ خاں کی پوری تقریر ۳ر حصوں پر مشتمل ہے:

الف......تقریر کا یہ حصہ ''میں ایزے مسلمان'' سے ....کھوئی ہوئی عظمت کو واپس کروایا'' تک ہے اس حصہ میں رام کو درج ذیل جملوں سے یاد کیا گیا

رام..................پاک اور پوتر وجود

رام..................نرالا، پیارا بے مثال

رام..................کو میں امام ہند مانتا ہے

رام..................سچائی کا نام ہے

رام..................مظلوم کی حمایت کرنے والا ظلم کی گردن پکڑنے والا

رام..................سورج کی روشنی۔ چاند کی چاندنی

رام..................ٹھنڈی ہوا۔ برستا بادل

یہ وہ الفاظ وکلمات ہیں جن سے ''رام'' کی شخصیت نمایاں ہوتی ہے......کیا یہ رام کی تعریف نہیں؟ تو پھر کیا ہے؟ اور خاں صاحب اس بات کی بھی وضاحت کریں کہ تعریفی کلمات کس قسم کے ہوا کرتے ہیں اور غیر تعریفی کلمات کس طرح کے ہوتے ہیں؟ دونوں قسم کے کلمات میں ''مابہ الامتیاز کیا ہے؟ اس کی بھی وضاحت مطلوب ہے تاکہ دلدل میں کسی کے پھنس جانے کا اندیشہ باقی نہ رہے......

ب......اس کی ابتدا ''سیتا جی'' کے لفظ سے ہوتی ہے اس تعلق سے رام کے کردار کو

آپ نے ''جہاد'' سے تعبیر کیا ہے جیسا کہ آپ نے کہا'' اور ایسے آتنک واد کے خلاف لڑنے کا نام عربی زبان میں ''جہاد'' ہے اس سے آگے چل کر آپ نے ''سیتا جی'' کو علامت کے طور پر استعمال کیا ہے جیسا کہ آپ نے کہا ہے ''صرف سیتا جی'' کی عزت کا سوال نہیں تھا قیامت کی صبح تک پیدا ہونے والی ان ساری سیتاؤں کی عزت کا سوال تھا'' جب کوئی فنکار کسی کردار کو علامت کے طور پر پیش کرتا ہے......تو اس کردار کے تعلق سے اس کے دل میں نرم گوشہ ضرور پایا جاتا ہے، اگر ایسا نہ ہو تو فن میں نہ خوب صورتی آسکتی ہے......اور نہ ہی دلکشی نمایاں ہوسکتی ہے......جاذبیت تو اس فن سے کوسوں دور ہو جاتی ہے...... یہ وہ حقیقت ہے...... جسے کوئی بھی دانشور فراموش نہیں کرسکتا ہے۔......تقریر کا یہ حصہ ملا جلا ہے اور معنوی طور پر حصہ ج سے مربوط دکھائی دیتا ہے۔

ج......تقریر کا یہ حصہ ''جہاد'' پر مشتمل ہے۔اس حصہ میں ''رام'' کو ''نظریہ جہاد'' کا پیکر دکھایا گیا ہے......صرف یہی نہیں کہ اسے پیکر بتایا گیا ہے بلکہ اس بات کا پیغام بھی دیا گیا ہے کہ ''اپنے عمل میں اپنے کرتب میں اپنے سنسار میں شری رام کو داخل نہیں کرتے'' اس کا مطلب یہی ہے نا کہ داخل کرو۔اسی پیغام کو آپ براہ راست پیش کرسکتے تھے مگر آپ نے ایسا نہیں کیا بلکہ اسے ''استفہام انکاری'' کے طور پر پیش کیا ہے جسے ادب کی دنیا میں مؤکد اور مؤثر مانا گیا ہے کہ "الكناية ابلغ من التصريح" کنایہ صریح سے زیادہ بلیغ ہوتا ہے۔

اس تجزیاتی مطالعہ کو پیش کرنے کا مقصد صرف یہ بتانا ہے کہ اس کی تقریر کا ہر ایک حصہ بالکل ایک دوسرے سے الگ ہے......اس میں سے کسی حصہ کو پیش کرنے اور دوسرے حصہ کو حذف کردینے سے منطوق پر کوئی اثر مرتب نہیں ہوتا ہے......جب آپ کی تقریر کے سارے جملے اور تمام تر حصوں کا یہ حال ہے......تو پھر کسی خارجی حالات، مقام اور فضا کی نسبت سے تقریر پر کوئی اثر کیوں مرتب ہوگا؟ پھر یہ کہ یہ تقریر ہے جو صرف اور صرف ''صریح کلام'' پر مرتب ہوا کرتی ہے یہ کوئی نظم یا قصیدہ نہیں کہ شاعر کے اندرونی حالات اور شعری فضا کے بغیر شاعری کو سمجھنا مشکل ہوا کرتا ہے اسی لیے شاعری میں رمز و کنایات،

تشبیہات، استعارات، علامات اور پیکریات کا کثرت سے استعمال کیا جاتا ہے...... قارئین سے گزارش ہے تمہیدی کلمات، تقریری حصص اور تجزیاتی مطالعہ کو خوب من لگا کر پڑھیں ......اس پر غور و فکر کریں اور دیکھیں ...... کہ پانی کہاں کہاں مر رہا ہے اور تقریر کا وہ کون سا حصہ ہے جو سمیت سے آزاد ہے......کیا کسی ایسے مقرر کو ہم اپنے دلوں میں بسا سکتے ہیں اور یہ امید کر سکتے ہیں کہ ان کی باتوں سے ہمارے زخموں کو کچھ سکوں ملے گا؟ میں اس فیصلہ کو قارئین کے صوابدید پر چھوڑتا ہوں......

یہ بات نہایت ہی سچی اور حق لگتی ہوئی معلوم ہوتی ہے کہ جب کسی کا مزاج بگڑتا ہے تو اسے کچھ بھی اچھا نہیں لگتا ہے اور حق بات تو اسے کسی بھی صورت میں اچھی لگتی ہی نہیں ہے۔ یہ کوئی افسانہ نہیں ہے اور نہ کوئی طلسماتی کہانی ہے کہ جس کے بارے میں کوئی پس و پیش سے کام لے......یہی کچھ حال یہاں بھی دکھائی پڑتا ہے ممبئی کے کسی عبداللہ نامی شخص نے یہ سوال مفتیان کرام کی خدمت پیش کیا......وہ سوال یہ ہے

کیا فرماتے علماء کرام اس سلسلے میں کہ ایک شخص نے اپنی تقریر میں کہا:

میں نے ایز اے مسلمان رام کو کس طرح دیکھا میری تاریخ اردو ادب نے شری رام کی حیثیت کو جنوایا، پہچانوایا ڈاکٹر سر محمد اقبال کی اس نظم کا حوالہ دوں گا جس نظم کا عنوان ہی ''رام'' ہے۔ ڈاکٹر سر محمد اقبال لکھتے ہیں ؎

ہے رام کے وجود پہ ہندوستاں کو ناز اہلِ ہنر سمجھتے ہیں ان کو امام ہند

شری رام کا وجود ایسا پاک اور پوتر وجود ہے، ان کا کریکٹر اتنا نرالا پیارا اور بے مثال ہے کہ جو ''اینٹیلک چول،، کلاس ہے جو چیزوں کی گہرائی میں اتر کر ان کی حقیقتوں کی معرفت حاصل کرتا ہے وہ شری رام کو امام ہند ہی مانتا ہے......رام نام ہے سچائی کا جو جھوٹ کو پراجت کرتا ہے......رام نام ہے مظلوم اور دُکھی لوگوں کی حمایت کا جو ظلم کی گردن پکڑتا ہے......رام نام ہے سورج کی اس روشنی کا جس کے ذریعے اندھیرے دور ہوتے ہیں ......رام نام ہے چاند کی اس چاندنی کا جس کے ذریعہ لوگوں کو سکوں ملتا ہے......رام نام ہے اس ٹھنڈی ہوا کا

جو جھلساتی ہوئی دھوپ میں انسان کے لیے چھتر چھایا بن جاتی ہے...... میں اسی رام کو جانتا ہوں جس نے نفرت کا کوئی سندیش انسانیت کو نہیں دیا۔ نفرت کے مقابلے میں محبت کے اس نے بادل برسائے۔ ایسے شخص کے تعلق سے شریعت کا کیا حکم ہے؟ اسے کسی دینی پروگرام میں بلانا یا اس کی تقریر سننا کیسا ہے بیوا وتو جروا

سائل

عبداللہ (ممبئی)

اس سوال کا جواب دیتے ہوئے علمائے کرام نے فرمایا

الجواب کفار کے دیوی دیوتاؤں کی تعریف کرنا کھلا کفر ہے فتاوی رضویہ مترجم میں ہے کفار کے دیوتاؤں کی تعریف کرنا کھلا کفر ہے ج/ ۱۴ ص/ ۶۲۵ ...... لہٰذا ایسا شخص دائرۂ اسلام سے باہر ہے اس پر توبہ، تجدید ایمان اور اگر بیوی رکھتا ہو تو تجدید نکاح فرض ہے اس کو پروگراموں میں بلانا اس کی تقریر سننا ناجائز و گناہ ہے واللہ تعالیٰ اعلم

بے لاگ تبصرہ

یہ فتویٰ لکھا گیا اور اس میں لکھنے والے کا نام بھی موجود ہے...... اور ناگ پور کے فقہی سیمینار میں شریک مفتیان عظام نے اس پر تصدیق بھی فرمائی ہے...... اس بات کا اعتراف خود ''اعظمی صاحب'' کو بھی ہے...... بہر حال اس تقریر پر فتویٰ بھی جاری کیا گیا اور اس پر حکم بھی نافذ ہے...... جب کوئی دیوی دیوتا کی تعریف کرے گا تو اس کا نتیجہ بھی وہی بھگتے گا......

جب کوئی ایزے مسلمان رام کو شری رام کہہ سکتا ہے اور اس کی خوبیوں کو بیان کر سکتا ہے اور وہ بھی ایزے مسلمان...... تو ظاہر ہے ایسے شخص پر توبہ بھی لازم اور، تجدید ایمان اور تجدید نکاح بھی لازم...... اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ لازم کیوں نہیں ہو سکتا ہے؟ اس راہ میں کیسا روڑا ہے...... کون کانٹا ہے؟ اور توبہ، تجدید نکاح و ایمان سے کون روک رہا ہے؟ کیا بیجا انفرادیت؟ کیا سماج اور معاشرہ کے تقاضے یا پھر غیر سماجی عناصر؟...... ان میں سے جو بھی ہو اس پر آپ سنجیدگی سے غور کریں...... یہ میری اپیل ہے اور میرا مشورہ بھی......اور اگر آپ غور

نہیں کر سکتے ہیں۔ جیسا کہ آپ نے خود اپنی تحریر سے اپنی منشاء ظاہر کر دی ہے......نہیں نہیں ...... بلکہ اسے آپ نے عملی روپ بھی دے دیا ہے......ملاحظہ فرمائیے:

''اس استفتاء کا مستفتی کوئی بندۂ خدا ہے جس کا پورا پتا درج نہیں اور مفتی کا تو سرے سے کوئی فرضی نام بھی نہیں......تصدیقی دستخط کرنے والوں کی ایک لمبی فہرست ہے نہ معلوم ان میں مفتی کون ہے؟

آپ کا یہ جملہ (نہ معلوم ان میں مفتی کون ہے؟) بھی کوئی جملہ ہے؟ کیا کسی بندۂ خدا کا نام ہونے سے یا مفتی کے فرضی نام کے نہ ہونے سے فتویٰ پر کوئی اثر مرتب ہوگا؟ بات اگر سچ ہے اور حق لگتی معلوم ہوتی ہے......تو اسے مان لینا چاہیے۔۔ میں پوچھنا چاہتا ہوں یہ نوبت ہی کیوں آئی کہ کوئی بندۂ خدا سوال کرے اور مفتی اس کا جواب دے۔ کیا صحیح ہے اور کیا غلط ہے؟ اتنی سدھ بدھ تو ہونی چاہیے۔ اگر دل میں خدا کا خوف ہوتا سماج اور معاشرہ کا کوئی پاس ولحاظ ہوتا تو یہ کام پہلے ہی انجام دے دینا چاہیے۔ برا ہو اس بگڑی ہوئی انفرادیت کا......جو سچائی کے راستہ میں رکاوٹ بن کر کھڑی ہو جاتی ہے اور فکر و شعور کے روشن منارے کو اندھیروں میں دھکیل دیتی ہے......آپ کا یہ جملہ (نہ معلوم ان میں مفتی کون ہے؟) کس قدر دل خراش ہے......؟ اور ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے یہ ابھی ابھی رعونت، ضد اور انانیت کی بھٹی سے نکل کر آیا ہو......آپ کی نگاہ میں مصدقین میں سے کوئی بھی مفتی نہیں ہے حالانکہ ان میں سے بہترے ایسے بھی ہیں جن کی اس قدر اونچی شخصیت ہے کہ ان کی طرف دیکھنے کے لیے کسی کو بھی نگاہ اُٹھا کر دیکھنے میں کافی دقتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے......کیا حق لگتی اس بات کو بھی فراموش کر دیا جائے۔ افسوس ہائے افسوس......دانشوروں کا جب یہ حال ہے تو پھر ہم اوروں کی کیا بات کریں؟

تقریر کا پس منظر

یہ حقیقت ہے کہ کسی کا پسِ منظر اس کے ادراک اور فہم و شعور کو نتیجہ خیز بناتا ہے اور کسی حکم کے نفاذ میں رہنمائی کرتا ہے۔ اس بات کو ہر کوئی جانتا ہے اور سمجھتا بھی ہے وہ تقریر جس

کے تعلق سے تنازعہ اُٹھ کھڑا ہوا ہے اس کا پس منظر کیا ہے اس تعلق سے خود مقرر صاحب بیان کرتے ہیں کہ

''پہلے تو یہ جاننا چاہیے کہ میں نے یہ تقریر کس مقام پر کس دور میں اور کس بنیاد پر کی۔ میری تقریر گجرات کے ایک شہر میں ہوئی ہے۔ جب گجرات کے فساد میں مسلمانوں کا قتل عام ہوا تھا۔ اوران کی عزت واملاک کی بے پناہ بربادی ہوئی تھی۔ مگر مراری بابو نے اپنے ''رن کچھ'' علاقہ میں بھر پور ورک کر کے امن وامان قائم رکھا۔ اس دیار میں مسلمانوں کی آبادی بہت ہے مگر قتل وغارت گری تو کیا کسی کی نکسیر بھی نہ ٹوٹی...... انہوں نے گاندھی دھام گجرات میں ''رام کتھا'' کی ایک محفل رکھی جس میں سبھی لوگوں کو مدعو کیا...... اور اپنے اپنے نقطۂ نظر کے لحاظ سے اظہار خیال کی دعوت دی ...... ان دنوں گیارہویں یا بارہویں شریف کے سلسلے میں میرے تقریری پروگرام اسی دیار میں ہو رہے تھے لوگوں نے مجھے بھی دعوت دی۔ اور وہاں کے سنّی مسلمانوں نے زور دیا کہ آپ کو اس پروگرام میں شرکت کر لینا چاہیے۔ مراری بابو نے یہاں باہمی امن و امان اور رواداری کی بڑی اچھی فضا قائم کی ہے آپ کی شرکت سے اس میں اور بھی پختگی آئے گی اور مسلمانوں کا بھلا ہوگا''

ہمارے قارئین!...... اس بات کو ہرگز نہ بھولیں کہ یہ ''پس منظر کشی'' اور نے نہیں، بلکہ خود صاحبِ معاملہ نے بیان کیا ہے۔ جو اس بات پر واضح علامت ہے کہ انہوں نے جو کچھ بھی بیان کیا ہے وہ سب ٹھیک ٹھاک ہے۔ اس پس منظر کا مطالعہ کرنے کے بعد چند باتیں واضح ہوتی ہیں:

اولاً...... یہ کہ وہ محفل جس میں مقرر موصوف شریک ہوئے۔ وہ کوئی سیاسی محفل نہ تھی اور نہ ہی اس کا تعلق کسی سماج یا معاشرہ سے تھا بلکہ وہ خالص ''مذہبی محفل'' تھی جیسا کہ اس محفل

کے نام سے واضح ہوتا ہے اس کا نام ''رام کتھا'' تھا......میں اپنی جماعت کے ہر ایک عالم اور مفتی کی بارگاہ میں اپنا عریضہ پیش کرتا ہوں ......کیا اس قسم کی کسی بھی محفل میں شریک ہونا جائز ہے؟

ثانیاً...... یہ کہ اس محفل کا انعقاد ''مراری بابو'' نے کیا تھا......ظاہر ہے دعوت بھی انہوں نے ہی دی ہوگی مگر پس منظر بتا رہا ہے کہ مقرر صاحب کو دعوت انہوں نے نہیں بلکہ لوگوں نے دی تھی......کیا یہ لوگ بانی محفل کے آدمی تھے؟ یا پھر دوسرے لوگ تھے؟......اور یہ بھی تو ہو سکتا ہے دعوت کسی نے بھی نہ دی ہو بلکہ خود اس میں شریک ہونے کے متمنی ہوں اور بڑی جتن کرنے کے بعد دعوت ملی ہو۔ یہ میں نہیں کہہ رہا ہوں بلکہ آپ ہی کا بیان کردہ ''پس منظر'' بول رہا ہے

ثالثاً...... یہ کہ اس میں شریک ہونے پر سنی مسلمان کیوں زور دے رہے تھے؟ اور انہیں اس کی ضرورت بھی کیا تھی؟ اس لیے کہ اس علاقہ میں امن وامان قائم تھا اور کسی کو کوئی نقصان نہیں ہوا تھا......مجھے تو ایسا لگ رہا ہے کہ مقرر صاحب اپنے اس گناہ میں بلاوجہ دوسرے مسلمانوں کو گھسیٹنے کی کوشش کر رہے ہیں۔

رابعاً...... یہ کہ اس محفل میں ہر ایک مقرر کو اپنے اپنے نقطہ نظر سے اظہار خیال کی اجازت تھی......خود یہ اجازت اس بات پر واضح قرینہ ہے کہ اس محفل میں آپ نے جو کچھ بھی بیان کیا وہ آپ کا اپنا نقطہ نظر ہے اسی لیے آپ نے اسے ''ایزے مسلمان بیان کیا ہے۔

خامساً...... یہ کہ یہ ''رام کتھا'' کی محفل تھی......یہاں کوئی مناظرہ نہ تھا اور نہ ہی یہاں کوئی مقابل اور خصم تھا جس پر اتمام حجت کے لیے ان کے نظریات ورجحانات کو بفرض محال تسلیم کر کے بیان کی کوئی حاجت ہو......اسی لیے کہا گیا ہے ایک جھوٹ کو سچ ثابت کرنے کے لیے ہزاروں جھوٹ گڑھے جاتے ہیں۔ یہ روش اگر عام لوگوں میں پائی جاتی......تو تھوڑی دیر کے لیے تسلیم کر لیا جاتا......اور اگر ایسے لوگوں کی یہ روش ہو جائے جو چاند وسورج سے آنکھیں ملاتے ہیں اسے کیسے برداشت کیا جائے گا؟

سادساً...... یہ کہ اس تقریر سے فائدہ بھی کیا ہوا؟......کیا کسی کی جان بچ گئی؟......کیا کسی کا گھر اُجڑنے سے رہ گیا......کیا کسی کی عزت سلامت رہی؟ جب اس علاقہ میں کسی کی نکسیر نہ ٹوٹی تو پھر یہ سب کرنا بیکار ہوگیا......دانشور ہوکر بھی یہ نازیبا حرکت نہایت ہی افسوسناک اور عبرت آموز امر ہے"

پس منظر سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ توبہ، تجدید ایمان اور تجدید نکاح کا جو حکم دیا گیا ہے وہی سچ ہے...... حقیقت ہے اور شریعت کا بھی یہی حکم ہے......انصاف کی بات تو یہ تھی کہ اس پر سنجیدگی سے غور کر لینا چاہیے تھا مگر ایسا نہیں کیا گیا......اس کے پیچھے کون سا جذبہ تھا جو کام کر رہا تھا......

علمائے اہلِ سنت کی جانب سے حکم صادر کیا گیا کہ ایسا مقرر جس سے یہ خطا صادر ہوئی ہے یہ کوئی غیر معمولی خطا نہیں ہے بلکہ بہت بڑی خطا ہے جو کفر ہے اور ایسا انسان دائرہ اسلام سے باہر ہو جاتا ہے......مقرر صاحب نے اس بارے میں اپنے خلوص کا مظاہرہ نہیں کیا اور نہ ہی توبہ کرنے کی جانب کوئی پیش رفت کی ...... بلکہ اس کے خلاف ایکشن لینے کا منصوبہ بنایا گیا اور وہ بھی کس کے خلاف؟ ایک شرعی فتویٰ کے خلاف؟ اگر اس کے اس ایکشن کو جواز فراہم کرایا گیا تو اس سے امن وامان ختم ہو جائے گا اور لوگوں کے جی میں جو آئیگا وہ کرے گا ......اس مقرر نے ابھی رام کی تعریف کی ہے کل کوئی دوسرا مقرر کھڑا ہوگا وہ راون کی تعریف کرے گا اس کے بعد کوئی کل اور کھڑا ہوگا وہ سیتا کی تعریف میں زمین وآسمان کے قلابے ملائے گا......اس دنیا میں کسی کی کمی نہیں ہے دانشمند بھی ہے اور بیوقوف بھی ہے کوئی ایسا بھی دانشور ہے جو پڑھا لکھا نہیں ہے اور کوئی ایسا بھی ہے جو پڑھ لکھ کر بھی بیوقوف بنا بیٹھا ہے ......کل کسی طرح کی کوئی انارکی پھیلے......اس سے بہتر یہ ہے کہ اس پر لگام کس دی جائے تاکہ کل کوئی اور سر پھرا غیر مذہب کی محفل میں جانے کی جرأت نہ کر سکے......کہ اس سے جماعت کو نقصان ہی ہوتا ہے کوئی فائدہ نہیں ہوتا ہے......ہماری جماعت کے ایک عظیم شخصیت نے اپنے شاگردوں کو تعلیم حاصل کرنے کے لیے ندوہ بھیجا......اس سے کیا فائدہ ہوا

......یہی نا...... کہ ہماری جماعت کی رگوں میں "صلح کلیت" کا زہر پیوست ہو گیا۔ اور باطل فرقوں سے اجتناب کی مضبوط دیوار دھیرے دھیرے کھسکنے لگی ...... یہ لمحوں کی خطا تھی جس کی سزا آج ہماری جماعت بھگت رہی ہے اور کب تک بھگتتی رہے گی اس کا کوئی اندازہ نہیں لگا سکتا ہے...... اگر آج کسی کو پڑھنے کے لیے ندوہ بھیجا جائے یا دارالعلوم دیوبند روانہ کیا جائے تو کیا اس کی اجازت ہوگی؟ اگر نہیں تو کیوں؟ تو پھر وہاں کیوں اجازت دی گئی؟ یہ وہ ایرادات ہیں جو بڑے سے بڑے دانشوروں کو حیرت میں ڈال سکتی ہیں......

ہماری جماعت کے علماء کرام نے تقریر کے اقتباس پر توبہ وتجدید ایمان ونکاح کا حکم صادر کر کے کوئی برا نہیں کیا بلکہ اس مقرر پر احسان کیا...... کہ جس دلدل سے مقرر موصوف برسوں سے نہ نکل پائے۔ اس کے نکلنے کے لیے راہ ہموار کی ......اور بغیر کسی نقصان کے اس دلدل سے نکلنے کے لیے تنبیہ کی گئی...... تنبیہ کا یہ انداز بھی بڑا نرالہ ہے...... بے مثال اور پیارا ہے...... اسی تنبیہ کا نام سچائی ہے...... یہی ہمدردی ہے...... رواداری ہے...... یہی سورج کی روشنی ہے ......یہی چاند کی چاندنی ہے...... ٹھنڈی ہوا اور برستا بادل ہے...... اور اس تنبیہ پر عمل کرنا اور اس کی جدو جہد کرنا "جہاد" ہے اور میں یہ بھی کہتا ہوں کہ اسی کا نام "جہاد اکبر" ہے کہ نفس کے نہ چاہتے ہوئے بھی کوئی اس پر عمل کر رہا ہے...... یہ ایسا اجالا ہے جو اندھیروں کو دور کرتا ہے ...... یہ حکم جو صادر ہوا ظاہر میں اگر چہ کسی "وصف عنوانی" کی جانب منسوب ہے لیکن معنوی اعتبار سے اس میں عمومیت پائی جاتی ہے اور کلیت کی استعداد دکھائی دیتی ہے جس کا مفاد یہ ہوتا ہے جو انسان بھی کسی غیر مذہب کے دیوی دیوتاؤں کی اس طرح عزت اور تعریف کرے گا اس پر بھی یہی حکم نافذ ہوگا...... ماضی میں جس نے بھی ایسا کیا ہے اس کے لیے بھی حکم یہی ہے اور جو کر رہا ہے وہ بھی اسی بلا میں گرفتار ہے...... یہ حکم مجہول ہے معین نہیں یا مطلق ہے مقید نہیں...... یہ کسی پر الزام نہیں تو ظاہر سی بات ہے اس حکم سے آشنا ہوتے ہی کسی کو اپنی آنکھیں لال پیلی کرنے کی ضرورت نہ تھی اور نہ ہی کسی پر برسنے کی حاجت تھی...... اب اگر اس حکم کے سبب کوئی غصہ میں آتا ہے یا اس کے اندر نفرت کا کوئی آتش فشاں پھوٹ پڑتا ہے تو اس کا

مطلب یہ ہوا کہ وہ خود اپنے لیے اپنی زندگی کو تنگ کر رہا ہے اور اپنے آپ کو مشکلات میں ڈال رہا ہے......ایک تو وہ حکم شرع کے خلاف کر رہا ہے اور دوسری جانب علمائے اہلسنت کے خلاف مورچہ کھول رہا ہے اور تیسرا جرم یہ کہ علماء کے ایک قلیل گروہ کو گمراہ کر رہا ہے......انصاف پسند اگر صبر کرے بھی تو کہاں تک کرے صبر کرنے کی بھی کوئی حد ہوتی ہے......ان حالات کے پیش نظر میں تو یہی کہونگا کہ مقرر موصوف خود بھی الجھنوں میں اور دوسروں کو بھی الجھا رہا ہے......ان حالات کو سمجھنے کی ضرورت تھی......مگر کیا ہو رہا ہے؟ یہ تمام چیزیں قارئین کی نگاہوں میں ہیں......اس طرح صاف ستھرے حالات کو پیچیدہ بنا دینا......نا تجربہ کاری ہے......ناپختگی ہے اور فکر و تأمل کیے بغیر بیچ دھار میں کود جانا ہے......

حمایتی تحریر کا تجزیہ

سائنس کے اس پُرفتن دور میں بھی ہمارے دارالافتاء کا یہ مزاج بنا ہوا ہے کہ جب کوئی سوال کرتا ہے تبھی اس کا جواب دیا جاتا ہے ہماری جماعت کا کوئی بھی مفتی بن بلائے مہمان نہیں بنتا ہے خدا کرے یہ مزاج بنا ہی رہے تا کہ اس جمالیاتی شان و شوکت برقرار رہے...... ہاں وہ کسی اور کا دارالافتاء ہو سکتا ہے جو بن بلائے مہمان بن جاتا ہے......مسئلہ متنازعہ فیہ میں بھی صاحب معاملہ ایک سوال نامہ مرتب کر کے بھیجتا ہے۔ جس کے بعض حصوں پر تبصرہ کر دیا گیا ہے اور وہ تبصرہ قارئین کے ذہن میں موجود ہوگا۔ یہاں اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں......ذیل میں سوال نامہ کا وہ حصہ پیش کیا جا رہا ہے جو گزارشات پر مشتمل ہے......یا یوں کہا جائے دریافت طلب امور پر محیط ہے......

(۱) ایک مسلمان کے لیے ایمان سے بڑی کوئی چیز نہیں۔ کفر ثابت ہو تو تجدید ایمان فرض جانتا ہوں کیا میری اس تقریر پر کفر کا حکم عائد ہوتا ہے؟ جب کہ وہ تقریر غیروں پر حجت قائم کرنے کے لیے ان کے خیالات کو بتاتے، دکھاتے ہوئے کی گئی ہے

(۲) مذہب اہلِ سنت تو یہ ہے کہ کسی مسلمان کی بات میں ننانوے احتمال کفر کے ہوں اور صرف ایک احتمال اسلام کا ہو۔ تب بھی اس کے ساتھ حسن ظن رکھتے ہوئے اسے مسلمان

ہی مانا جائے تو عرض ہے میری تقریر اسلام اور مسلمانوں کی طرف جاتی ہے یا نہیں۔ ہر پہلو کفر و شرک کا ارتکاب کرتے نظر آتی ہے۔

(۳) مجھے انٹرنیٹ کے ذریعہ معلوم ہوا کہ فتویٰ میں فتاوی رضویہ کا جو حوالہ دیا گیا ہے وہ غلط ہے ہمارے ان صغیر و کبیر علماء نے فتاوی رضویہ کے ساتھ اس طرح کی دیانت کا ثبوت پیش کیا ہے۔

(۴) میری تقریر کفر و شرک سے خالی ہونے کی صورت میں اسے کفر پر مشتمل ٹھہرانے والے بلکہ قائل کو بھی دائرۂ اسلام سے خارج ٹھہرانے والوں کا کیا حکم ہے؟

یہ گزارشات اس بات کو واضح کررہے ہیں کہ "صاحب معاملہ" سائل کی حیثیت سے کم نمایاں ہے اور فریق کی حیثیت سے زیادہ ...... فریق کی حیثیت سے جو نفسیاتی پہلو نکل کر سامنے آتا ہے...... وہ فتنہ پرور ذہنیت، سفاکیت، بے اعتدالی، جذبہ حقارت، منفی سوچ اور فکری انتشار ہے...... ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ حمایت سے پہلے اس پہلو پر غور کرلیا جاتا ...... مگر ایسا نہیں کیا گیا...... س کے پیچھے کون سا جذبہ کارفرما ہے؟ کوئی بھی اسے سمجھ سکتا ہے؟ اسے بتانے کی کوئی ضرورت نہیں...... سبھی لوگ جانتے ہیں کہ روشن میناروں کے سائے میں زندگی بسر کرنے والے کس طرح اندھیروں کی جانب محوِ سفر ہیں ...... یہی تماشہ دیکھنے کے لیے ہم آپ کے سفر میں شریک ہیں...... یا آپ میرے ساتھ شریک ہیں

جواب سوال اوّل ...... پہلے سوال کا جواب دیتے ہوئے مفتی نظام الدین صاحب تحریر کرتے ہیں:

"اعلیٰ حضرت امام اہلسنّت قدس سرہ ارشاد فرماتے ہیں:

ہمیں ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اہلِ لا الٰہ الا اللہ کی تکفیر سے منع فرمایا ہے جب تک وجہِ کفر آفتاب سے زیادہ روشن نہ ہوجائے اور حکم اسلام کے لیے اصلا کوئی ضعیف سے ضعیف محمل بھی باقی نہ رہے فان الاسلام یعلوا ولا یعلیٰ۔

(تمہید ایمان ص ۴۳ سبحان السبوح ص ۹۰)

تقریر کے اقتباس سے ظاہر ہے کہ غیر مسلموں کے خیالات کو بتاتے ہوئے انہی سے ان پر حجت قائم کی گئی ہے جو خطیب کے زور بیان کی واضح دلیل ہے اس لیے اس تقریر سے خطیب کے ایمان پر کوئی آنچ نہیں آتی۔ بلکہ یہ تو اس کے ایمان کی نشانی ہے کہ مجمع غیر میں جا کر انہیں کی باتوں سے ان پر حجت قائم کر دی...... مخالف پر حجت اور الزام قائم کرنے کے لیے کوئی خلاف واقع بات بھی کہنے کی اجازت ہے مفسرین نے خود قرآن پاک سے اس کا استخراج کیا ہے علامہ قرطبی لکھتے ہیں ...... **یجوز عند الامة فرض الباطل مع الخصم حتی یرجع الی الحق من ذات نفسه فانه اقرب للحجة واقطع للشبهة** .... (الجامع لاحکام القرآن لابی عبداللہ محمد بن احمد الانصاری الخزرجی شمس الدین القرطبی المتوفی ۶۷۱ھ ج، ۱۱ ص، ۳۰۰)

اس تفصیل کے پیش نظر سوال میں تقریر کا جو اقتباس خود قائل نے نقل کیا ہے وہ کفر یا حرام نہیں بلکہ اپنے مذہب کا دفاع ہے اور غیروں پر اقامت حجت واللہ تعالی اعلم

مقرر کی پوری تقریر اور خود اس کا بیان کردہ ''پس منظر'' اس بات کو واضح کر رہا ہے کہ یہاں سرے سے مخالف پر الزام اور حجت قائم کرنے جیسی کوئی بات نہ تھی اور نہ وہاں کوئی ایسا تھا جسے ''خصم اور مخالف'' تصور کرنے کا جواز حاصل ہو ......اس لیے یہ تاویل مخدوش اور نہایت ہی مخدوش ہے......اس گرتی دیوار پر ''اقامت حجت اور الزام علی الغیر'' کی چھت نہیں پڑ سکتی ہے......اسی بات کو ہم ''پس منظر'' کے تجزیاتی مطالعہ میں بیان کر چکے ہیں...... اس لیے اب یہ کہنا کسی بھی صورت میں درست نہیں کہ، تقریر کا جو اقتباس خود قائل نے نقل کیا ہے......وہ کفر یا حرام نہیں بلکہ اپنے مذہب کا دفاع ہے اور غیروں پر اقامت حجت''......میں اس بات کی اپیل کرتا ہوں پس منظر اور اس کے تجزیہ کا دوبارہ مطالعہ کیا جائے اور خوب گہرائی سے مطالعہ کیا جائے......مطالعہ کے دوران قارئین خود اس بات کو محسوس کریں گے کہ اس میں خود قائل کے بہت سے ایسے الفاظ اور جملے پائے جاتے ہیں جو اس تاویل کی راہ میں رکاوٹ بن رہے ہیں......اگر واقعی آپ اسے مذہب کا دفاع تصور کرتے ہیں تو بتائیے اقتباس میں وہ

کون سا جملہ اور کون سا لفظ ہے؟ جس سے یہ دفاع سمجھ میں آتا ہے......ہم اس لفظ کو سننے اور دیکھنے کے منتظر ہیں......

جواب سوال دوم ......جیسا کہ سطور بالا سے عیاں ہے تقریر کا یہ حصہ غیروں پر اقامت حجت کے لیے ہے اس لیے اس میں ایک احتمال بھی کفر کا نہیں لہٰذا خطیب ہرگز ہرگز دائرۂ اسلام سے خارج نہیں اور اس کی تقریر سننا جائز ہے

اس جواب کے تعلق سے عرض ہے ''اقامت حجت'' ایک ''مفروضہ تاویل'' ہے......

اس لیے اقتباس کا ایک ایک جملہ رام کی تعریف اور اس کی عزت پر مشتمل ہے......لہٰذا خطیب دائرہ اسلام سے خارج ہے اور اس کی تقریر سننا جائز نہیں......اور مسلمانوں کو چاہیے کہ ایسے خطیب کو اپنے کسی دینی پروگرام میں دعوت نہ دیں جیسا کہ ہمارے علماء کرام نے حکم نافذ کیا ہے......جب کوئی کلمہ صریح کفر ہو تو اس میں احتمالات نہیں ہوتے ہیں......احتمالات وہاں ہوتے ہیں جہاں کلمہ صریح کفر پر مشتمل نہ ہو......اور اگر آپ کے نزدیک صریح کفر والے کلمہ میں بھی احتمالات ہو سکتے ہیں تو بتائیے مسئلہ متنازع فیہ میں کون کون سے احتمالات نکل سکتے ہیں؟

اگر کوئی انسان ''کفر صریح'' کرے ......دیوی، دیوتاؤں کی عزت کرے ...... تعریف کرے......اس کی شان میں خطبہ پڑھے......اور اس کے افعال میں سے کسی فعل کی تحسین کرے......تو کیا اسے اسلام سے باہر نہیں مانا جائے گا......اور اس پر توبہ، تجدید ایمان و نکاح کا حکم نہ دیا جائے گا......؟ آپ کہاں تک تاویل کریں گے اور کس کس کی تاویل کریں گے؟......کیا آپ اس بات کی اجازت دیں گے کہ اسے اہل قبلہ اور کلمہ گو ہونے کی وجہ سے اس کی حالت پر چھوڑ دیا جائے گا؟ اگر نہیں تو اس مسئلہ میں کس جذبہ کے تحت مقرر موصوف کو چھوڑا جا رہا ہے......اور اگر کفریات کے بکنے کے باوجود اہل قبلہ کا سہارا لے کر چھوڑ دینے کی روایت زندہ کی جا رہی ہے تو پھر کسی کو کافر نہ کہا جائے......فقہ کی کتابوں میں مندرج ابواب کفر و تکفیر کو ہی ترک کر دیا جائے کہ نہ کوئی ان ابواب کو پڑھے اور نہ کسی کو کافر کہے......کیا اس

قسم کی جرأت دورِ حاضر کا کوئی عالم دین یا مفتی شرع متین کر سکتا ہے؟

تیسرے سوال کے جواب میں یہ واضح کیا گیا ہے کہ فتاوی رضویہ کا جو حوالہ دیا گیا ہے جو جلد نمبر اور صفحہ نمبر بتایا گیا ہے اس جلد اور اس صفحہ میں وہ عبارت نہیں پائی گئی ہے...... یہ لکھنا اصولِ افتاء کے بالکل خلاف ہے کہ فتویٰ میں کبھی بعینہ عبارت نقل کی جاتی ہے یا اس جیسی عبارت نقل کی جاتی ہے...... اگر عبارت بعینہ نہیں پائی جاتی ہے تو یہ دیکھا جائے کہ اس جیسی عبارت ہے یا نہیں ہے...... اگر اس جیسی عبارت بھی نہیں ہے...... تب آپ کسی مفتی پر یہ الزام لگا سکتے ہیں کہ وہ کاہل ہے سست ہے اور مفتی تساہلی سے کام لے رہا ہے...... حوالہ بھی صحیح ہے اور جلد نمبر نیز ص نمبر بھی وہی ہے بعینہ وہ عبارت نہ سہی لیکن اس جیسی عبارت تو موجود ہے ...... میں نہایت ہی وثوق سے یہ بات کہہ سکتا ہوں کہ...... جب تصدیق کے لیے میرے پاس فتویٰ لا گیا تو اس میں فتاویٰ رضویہ میں جو صحیح عبارت ہے وہی نقل کی گئی تھی...... جلد نمبر بھی صحیح ہے اور صفحہ نمبر بھی...... البتہ فیس بک پر جن لوگوں نے اسے ڈالا ہے اس سے کہیں نہ کہیں چوک ہوئی ہے۔

جواب نمبر چہارم میں علمائے کرام کو جو مشورہ دیا گیا ہے وہ برمحل نہیں ...... ہاں جو سوال نامہ آپ کو روانہ کیا گیا ہے وہ اس مشورہ کا محل ہے...... اس لیے یہ مشورہ آپ ہی کی جانب لوٹتا ہے...... ہوسکتا ہے میری اس بات سے آپ کو حیرت ہو رہی ہوگی...... مگر میرا ماننا یہ ہے کہ تھوڑی سی فکر سے یہ حیرت زائل بھی ہوسکتی ہے اور وہ اس طرح کہ ''پہلا سوال'' ''کفر فقہی'' سے متعلق تھا...... اور دوسرا سوال'' کفر کلامی'' سے متعلق ہے...... وہاں کفر غیر معین ہے اور یہاں کفر معین ہے......

یہ چند باتیں اس لیے پیش کی گئیں تا کہ بھولا ہوا سبق پھر سے تازہ ہو جائے اور مفروضہ تاویل کے قبول کرنے کی روش ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائے...... حمایتی تحریر کا ایک ایک جملہ...... اور ایک ایک سطر اس بات کو تقویت مل رہی ہے کہ یہ تحریر عجلت میں لکھی گئی ہے یا پھر کسی نفسیاتی دباؤ میں ایسا ہوا ہے...... اگر بات یہی ہے جو سچ معلوم ہوتی ہے تو مفتی پر

لازم تھا کہ یہ نہ لکھا جاتا کہ کوئی بھی مفتی نفسیاتی دباؤ میں فتویٰ صحیح ڈھنگ سے لکھ ہی نہیں سکتا ہے......پھر بھی اس پر یہ طرہ کہ یہی فتویٰ صحیح ہے، یہ دعویٰ محض دعویٰ ہے اور حقیقت اس کے برعکس ہے......

یہ کس قدر اندھیر نگری ہے؟ کہ یہ سارا کام اجالوں کی بستی میں رہ کر کیا جا رہا ہے اس سے اُجالے کی اہمیت مجروح ہو رہی ہے جو ایک روشن منارہ کی آغوش میں روپوش ہے......کیا اس سے ان کی روح کو اذیت نہ ہو رہی ہوگی؟ ذرا سوچیے اور غور کیجئے۔ کہیں کوئی روشن مینار اندھیروں کی نذر نہ ہو جائے......میں اسی پر اپنی بات ختم کرتا ہوں اس سے زیادہ میں اور کچھ نہیں کہہ سکتا......اچھا خدا حافظ

اسی دوسرے فتویٰ کے خلاف ایک اور تحریر سامنے آئی ہے جسے مولانا غلام مصطفیٰ نعیمی اڈیٹر ''سواد اعظم'' نے قلم بند کیا ہے، مضمون کی معنویت کے پیش نظر اس مقام پر پیش کیا جاتا مگر مضمون اِن پیج میں نہ ہونے کے سبب ہم پیش کرنے سے مجبور ہیں......اس کے علاوہ ایک فتویٰ اور آیا ہے جسے مولانا صدیق صاحب نے تحریر فرمایا ہے۔ اس فتویٰ کی تصدیق تقریباً ایک درجن علماء نے کی ہے......آئندہ صفحات میں ہم ان مضامین کے تعلق سے ضمنی طور پر بحث کریں گے......

دوسرے فتویٰ کی حمایت میں کئی ایک سوالات پر مشتمل ایک اور تحریر سامنے آئی ہے یہ تحریر جناب مرشد انصاری صاحب کی ہے ناچیز نے ان سوالوں کا جواب دیا ہے میں اسے پیش کر رہا ہوں

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

باب چہارم

ہائے افسوس! کیا سے کیا ہو گیا؟

حضرات گرامی!

ماضی کا وہ تابناک دور آج بھی ہماری نگاہوں میں ہے جب ،،عبید اللہ خاں اعظمی'' خطابت کی دنیا میں دھوم مچا رہے تھے اور ''مسلک اعلیٰ حضرت'' کی ترجمانی کر رہے تھے بدایوں شریف کے ایک جلسہ میں انہوں نے کہا تھا: اعلیٰ حضرت اور ان کے مسلک کو ماننا ہی پڑیگا خواہ مسرور ہو کر مانو یا پھر مجبور ہو کر مانو...... یہ جملہ اور اسی قسم کے ان کی تقریر میں بہت سے ایسے جملے ہوا کرتے تھے جنہیں سننے کے بعد کسی نے یہ گمان بھی نہ کیا تھا کہ جماعت اہلسنت کا یہ ،،تاج محل ،،کبھی ،،کوہِ آتش فشاں ،،بن کر پھوٹ پڑے گا...... اسی لیے میں کہتا ہوں...... ہائے افسوس! کیا سے کیا ہو گیا؟ کیا ضرورت تھی ''رام کتھا'' کی مجلس میں جانے کی اور کیا مجبوری تھی رام کی تعریف میں مدحیہ کلمات استعمال کرنے کی...... ارباب ذوق اس بات سے واقف ہیں کہ ''رام کتھا'' کی مجلس میں جو تقریر کی گئی...... اس میں جس طرح کے مترادف الفاظ، تراکیب، جملے اور عبارتیں پیش کی گئیں یہ ساری عبارتیں بڑی لمبی فرصت میں تیار کی گئی تھیں ...... اس تقریر کے لب ولہجے اور اسلوب بیان اس بات کو ثابت کر رہے ہیں کہ مقرر موصوف جبر واکراہ کی حالت میں نہ تھے بلکہ انہوں نے جو کچھ بھی کہا ان کا اپنا خیال تھا...... اپنا شعور اور ادراک تھا...... اور ان کا خود کا اپنا نظریہ تھا...... اسی لیے

علمائے اہل سنت نے انہیں اسلام سے خارج بتایا......انصاف کا تقاضا تو یہ تھا کہ اعظمی صاحب فوری طور پر توبہ کرتے مگر انہوں نے ایسا نہیں کیا......افسوس صد افسوس...... کہ ہماری جماعت کے چند افراد نے اعظمی صاحب کی بیجا حمایت کر کے اپنے غرور علم اور نخوت فکر کو واضح کر دیا......ایسی ہی بیجا حمایت کرنے والے کی ایک تحریر میرے سامنے ہے جو درج ذیل عنوان کے تحت منصہ شہود پر آئی ہے......دیکھیے عنوان ہے......

ائمۃ امت کا مذہب تا حدِ امکان تکفیر مسلم سے اجتناب یا بہر تدبیر تکفیر مسلم کا ارتکاب؟؟

اس عنوان کے بارے میں عرض ہے کہ اس عنوان کا دوسرا پیراگراف نہایت ہی پیچیدہ ہے اس کی ایک کل بھی سیدھی نہیں ہے نہ معلوم نشہ کی کس حالت میں یہ نمود پذیر ہوا ......دیکھیے یہ عنوان کیسا ہے ''تا حد امکان تکفیر مسلم سے اجتناب ہی ائمۃ امت کا مذہب ہے'' لیکن ''تا حدِ امکان اس بات کو واضح کر رہا ہے کہ جہاں ،، امکان ،، دور دور تک نظر نہ آئے وہاں ''تکفیر'' ائمۃ امت کا مذہب ہے اسی مذہب پر عمل کرتے ہوئے مفتی نظام الدین صاحب نے یہ فتویٰ صادر کیا: غیر مسلموں کی دیوی دیوتاؤں کی تعریف کرنا ان کو عزت دینا ہے مزید برآں زید کے اس شعر: کڑ کڑ میں رام بسے من میں سیتا رام: سے ان کے دیوتاؤں کا اعزاز ظاہر ہے جو صریح کفر ہے عبید اللہ خاں اعظمی نے بھی ''رام کتھا'' کی مجلس میں رام کی تعریف کی ہے اور تعریف کے ایک ایک لفظ سے رام کا اعزاز ظاہر ہو رہا ہے اس لیے خود مفتی نظام الدین صاحب کی مذکورہ بالا عبارت سے بھی خطیب صاحب کافر اور اسلام سے خارج ہو گئے......تو پھر انہیں بچانے کی ناکام کوشش کیوں کی جا رہی ہے؟ اس کا مطلب یہی ہے نا کہ مفتی صاحب نے اس سے پہلے جو فتویٰ دیا تھا اس وقت نفسیاتی مرض میں مبتلا نہ تھے اور اب جو فتویٰ دے رہے ہیں وہ نفسیاتی مرض میں مبتلا ہو کر دے رہے ہیں......اب عنوان کے دوسرے پیراگراف پر غور کیجئے......اس پیراگراف کے تعلق سے ذہن میں چند سوالات اُٹھتے ہیں کہ

الف...... یا بہر تدبیر تکفیر مسلم کا ارتکاب'' کا مفہوم کیا ہے؟
ب...... یا حرف تردید ہے جو دو متضاد مفہوم کو چاہتا ہے یہاں دو متضاد مفہوم کیا ہے؟ جس کے لیے حرف یا کا استعمال کیا گیا ہے؟
ج...... دو متضاد مفہوم جو بھی ہو وہ مجموع ہے یا مفرد ہے؟ اگر مجموع ہے تو اس میں کون کون شامل ہے اور اگر مفرد ہے تو وہ کون ہے؟
د...... بہر تدبیر اور تا حد امکان دونوں مفہوم متضاد میں شامل ہے یا نہیں ہے؟ اگر شامل ہے تو اس کی شمولیت سے تضاد مرتفع ہوگا یا نہیں؟ اور اگر شامل نہیں ہے تو اب یہ سوال ہوتا ہے کہ دونوں شامل نہیں ہیں یا پھر ان میں ایک شامل ہے تو وہ کیا ہے تا حد امکان یا بہر تدبیر؟
س...... دونوں میں سے جو بھی شامل ہو اس کی وجہ ترجیح کیا ہے؟

یہ چند سوالات جو ذہن میں بار بار اٹھ رہے تھے اور مضطرب کیے ہوئے تھے اس لیے میں نے پیش کر دیئے کہ اسی عنوان کے تحت لکھی گئی تحریر میں چند ایرادات قائم کیے گئے ہیں ان ایرادات میں ہر ایک کا بالترتیب جواب حاضر ہے اور جواب بھی اس لیے دیا جا رہا ہے کہ انہوں نے جواب کا مطالبہ کیا ہے اگر وہ مطالبہ نہ کرتے تو شاید جواب دینے کے لیے میں بھی تیار نہ ہوتا میرا ماننا یہ ہے کہ نخوت علم وفکر جہاں کہیں بھی ہو توڑ دی جائے تا کہ پھر کوئی سر اٹھانے کی کوشش نہ کرے...... لیجئے جواب حاضر ہے

ایراد اوّل......

چاند سورج بھی بعض مشرکوں کے معبود اور دیوی دیوتا ہیں مگر ایک طبقے کے علاوہ ساری دنیا چاند وسورج کے قابلِ عبادت ہونے سے انکار کرتے ہوئے بغیر جبر واکراہ کے طرح طرح ان کی مدح وستائش کرتی آئی ہے اور شاید ہی کوئی شخص ایسا ہو جو ان کی تعریف سے بچا ہو جب کہ شمس وقمر کی یہ تعریفیں بغیر کسی جبر واکراہ کے ہو رہی ہیں اب بتایئے آپ کے نزدیک دنیا میں کتنے افراد ہیں جو کفر سے محفوظ ہیں اور خود آپ کس طبقے میں ہیں؟

جواب ایراد اول......

یہ ہے کہ آپ نے چاند وسورج کو بعض مشرکوں کا معبود بھی کہا ہے اور دیوی دیوتا بھی کہاہے آپ کے اس قول پر چند سوالات ہیں

سوال نمبر (۱)...... معبود، دیوی اور دیوتا تینوں ایک ہیں یا ان میں کوئی فرق ہے

سوال نمبر (۲)...... اگر فرق ہے تو ہر ایک کی توضیح الگ الگ کی جائے

سوال نمبر (۳)...... اگر فرق نہیں ہے تو کیا معبود کو دیوی دیوتا سے تعبیر کیا جاسکتا ہے؟

سوال نمبر (۴)...... آپ کی اس عبارت یعنی جو چاند وسورج کے قابل عبادت ہونے سے انکار رکھتے ہوئے،، سے کس کی نفی ہورہی ہے؟ معبود ہونے کی یا دیوی ہونے کی یا دیوتا ہونے کی؟

سوال نمبر (۵)...... تینوں کے مابین چاروں نسبتوں میں سے کون سی نسبت ہے؟

سوال نمبر (۶)...... معبود ہونے کی نفی دیوی دیوتا ہونے کی نفی کو مستلزم ہے یا نہیں؟

جب چاند وسورج کے قابل عبادت ہونے کی نفی ساری دنیا نے کردی ہے تو ظاہر ہے چاند وسورج کی جو بھی تعریف کریگا وہ صرف چاند کی تعریف کرے گا یا صرف سورج کی تعریف کرے گا نہ کہ معبود کی تعریف کرے گا اور نہ ہی دیوی دیوتا کی...... اس لیے یہ تعریف کفر نہیں جس قدر افراد بھی ان کی تعریف کریں گے سب کے سب مسلمان ہی رہیں گے ان میں سے کوئی بھی کافر نہ ہوگا کہ انہوں نے چاند وسورج کی تعریف کی ہے کسی دیوی یا دیوتا کی نہیں ......

ایراد دوم......

رام اور سیتا وغیرہ قبل اسلام کے اشخاص ہیں...... اہل اسلام کو ہندی تاریخ کے سوا کسی قطعی ذریعہ سے ان کے وجود کا بھی علم بہم نہیں ہوتا۔ بقول بعض ہوسکتا ہے کہ یہ کسی سچے دین سماوی کے متبع اور باطنی کمال وتکمیل کے اہل ہوں اور ہوسکتا ہے کہ زمانہ فترت کے موحدین کی طرح ہوں جنہیں کوئی دین سماوی اپنی تفصیل کے ساتھ نہ پہنچا مگر وہ توحید کے قائل رہے اور

ان کی نجات اُخروی کے لیے یہی کافی قرار دیا گیا اور ہوسکتا ہے دین وتوحید سے بے بہرہ کفرو شرک میں مبتلا رہے ہوں ...... ہمارے پاس تینوں میں سے کسی ایک کا کوئی قطعی ثبوت نہیں اس لیے حتما جزما کچھ کہا نہیں جا سکتا سکوت بہتر ہے جن لوگوں نے اس طرح کی بات کہی اور لکھی اعلیٰ حضرت نے ان کی تکفیر کیوں نہ کی یا کم از کم ان کے اقوال کو،، کفری،، کیوں نہیں بتایا؟ فتاوی رضویہ غیر مترجم جلد ششم ص ١٤١، ١٤٢ بغور پڑھ کر جواب دیں اور اپنا فیصلہ بھی صادر کریں

جواب ایراد دوم......

چلیے یہ اچھی بات ہے کہ آپ نے فتاوی رضویہ غیر مترجم ص ١٤١، اور ١٤٢ بغور پڑھنے کی دعوت دی ہے...... اس کا مطلب یہ ہے کہ جس کسی نے بھی ایرادات قائم کیئے...... وہ محض بی اے یا ایم اے نہیں ہے بلکہ یہ وہ ہے جو فتاوی رضویہ پڑھنے اور سمجھنے کی صلاحیت رکھتا ہے اور پھر سمجھ کر لکھنے کی بھی صلاحیت رکھتا ہے آپ نے ایراد تو قائم کر دیا مگر اعظمی صاحب کی تقریر سے جوڑ کر اسے قائم نہیں کیا...... خیر جب نہیں کیا تو اب کر لیجئے پھر اس کے پیش منظر بیان کر دیجئے اگر آپ بیان نہیں کرنا چاہتے ہیں تو عرض ہے...... اگر ان کے دل میں یہ شک گزرا کہ ہوسکتا رام اور کرشن بھی کسی آسمانی دین کا مقتدا ہو تو ان کا یہ شک ان کی تقریر کے ایک ایک جملہ کے تناظر میں یقین میں بدل جائے گا اس لیے کہ تقریر کا ایک ایک جملہ جزم کی ترجمانی کر رہا ہے نہ کہ کسی شک اور کسی ظن وتخمین کی...... لھذا ان کا کفر جو ابتک لزوم کی صورت میں تھا آپ کے اس ایراد کے سبب وہ التزامی ہو جائے گا اور یہ تکفیر ''تا حد امکان'' کے دائرہ سے نکل جائے گی...... فتاویٰ رضویہ کی عبارت کا میں نے مطالعہ کیا اور بغور کیا...... اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی نے اپنے اس فتویٰ میں جو کچھ بھی لکھا صحیح لکھا کہ انہیں یہی لکھنا چاہیے جو انہوں نے لکھا اس کی وجہ یہ ہے کہ **السوال معاد للجواب** کہ سوال ہی جواب کی بنیاد ہوا کرتا ہے...... اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی سے سوال میں یہ پوچھا گیا کہ

الف...... مولوی محمد علی سابق ناظم ندوہ اب سابق افعال وکوشش متعلق ندوہ سے تائب

ہو گئے ہیں۔

ب...... مصنف حالات مولانا فضل الرحمان نے اپنی کتاب میں مولانا فضل الرحمان کی جانب ایک حکایت منسوب کی ہے

ج...... مصنف نے یہ بھی تحریر کیا ہے کہ، مرزا مظہر جان جاناں رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر فرمایا ہے: کسی مردے کے کفر پر تاوقتیکہ ثبوت شرعی نہ ہو حکم نہ لگانا چاہیئے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ لکل قوم ھاد اس تقدیر پر ہوسکتا ہے رام چندر اور کرشن ولی نبی ہوں کیا آپ نے اسے کہیں دیکھا ہے؟

د...... کیا کسی خواب کی تعبیر میں فرمایا ہے؟

دیکھئے یہ سوال کا خلاصہ ہے اس میں کہیں یہ نہیں لکھا ہے کہ یہ کلام کیسا ہے؟ اور جو ایسا کہے اس تعلق سے شریعت کا حکم کیا ہے؟

جواب (الف)...... سابق ناظم ندوہ سابقہ خیالات سے تائب نہیں ہوئے

جواب (ب)...... نہ کچھ اس حکایت کی اصل

جواب (ج) اور (د)...... یہ بات کسی خواب کی تعبیر میں نہ کہی بلکہ انہوں نے کسی خط کے جواب میں لکھا اور انہوں نے جو بھی لکھا ہے اس میں رام یا کرشن کا نام نہیں اس کے بعد اعلیٰ حضرت نے جو بھی تحریر فرمایا ہے اس سے یہی ثابت ہوتا ہے رام یا کرشن کا وجود ہی فرضی ہے ان کے بارے میں ہندوؤں کے جو بھی نظریات ہیں سب کے سب فرضی ہیں آپ نے جو نکتہ بیان کیا ہے وہ نکتہ بھی ایک فرضی وجود سے متعلق ہے...... لھذا ثابت ہوا کہ آپ کا یہ ایراد ہی غلط ہے اور فتاویٰ رضویہ کی عبارت سے استدلال بھی غلط ہے اعظمی صاحب کی تقریر کے کسی جملہ سے رام کا وجود فرضی ثابت نہیں ہوتا بلکہ اس تقریر کا ایک ایک جملہ اسکے وجود کو ثابت کر رہا ہے اس لیے مقرر کو دائرہ اسلام سے خارج کیا گیا......

ایراد سوم......

آج رام وغیرہ سے متعلق کسی مسلمان کو جو علم ہے وہ وہی ہے جو اس نے ہندی

تاریخوں میں دیکھا اور پڑھا یا ہندوؤں سے سنا ۔اب اگر کوئی شخص انہیں بھگوان یا معبود تو نہیں مانتا مگر ان سے متعلق اسے جو معلومات حاصل ہوئیں ان کو بتاتے ہوئے کہتا ہے کہ وہ تو پاک صاف اور ظلم وستم سے دور تھے تم ان کو پیشوا مان کر ان کے طریقے سے منحرف اور ظلم وستم کے مرتکب کیوں ہو؟......اس میں قائل اپنے ذاتی علم کا اظہار کر رہا ہے مگر یہ علم اسے مشرکین کی بتائی ہوئی تاریخوں ہی سے ہوا ہے اور انہیں تسلیم بھی ہے اس لیے ان پر حجت قائم کرتے ہوئے دعوت امن دے رہا ہے تو وہ کافر کیسے ہو گیا؟ دیوی دیوتاؤں کی تعریف جب ان کی الٰہیت ومعبودیت کی وجہ سے ہو یا کسی کفری جہت سے ہو تب کفر ہوتی ہے یا مطلقاً کفر ہوتی ہے برشق ثانی چاند وسورج کی تعریف کرنے والوں کا حکم واضح کیجئے؟

جواب......اس مقام پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے انہیں یہ کہنے کی ضرورت کیوں پیش آئی ؟اور وہ کون سا موقعہ ہے جس موقع پر یہ کہا گیا اس کے علاوہ ایک سوال یہ بھی ہوگا کہ کہنے والا کون ہے؟ اور اس کی حیثیت کیا ہے؟ کیا وہ یہ کہنے کا مجاز بھی رکھتا ہے یا نہیں رکھتا ہے؟ اور تیسرا سوال یہ پیدا ہوتا ہے اس کی معلومات اگر اسی حد تک ہے جو تیسرے ایراد سے واضح ہوتا ہے تو اسے یہ کہنے کی ضرورت ہی نہیں ایسے شخص پر فرض ہے کہ کوئی بات کہنے سے پہلے اس کے بارے میں پوری معلومات حاصل کرے اور ایسی کوئی کچی بات نہ کہے جو خود کے لیے نقصان دہ ثابت ہو اور ملت کے لیے باعث ضرر ہو......ہوسکتا ہے اگر اسے پوری معلومات حاصل ہوتی تو شاید وہ اس قسم کے جملے استعمال نہ کرتے اگر کوئی مسلمان اس قسم کی بات کرتا ہے تو اسے زیب نہیں دیتا کہ یہ رام کی تعریف ہے اور اس سے اس کا اعزاز ثابت ہوتا ہے اور یہ بھی دیکھنا پڑے گا کہ کہنے والوں نے جو کہا یہ محض حکایت ہے یا انشاء ہے ان تمام پہلوؤں کی وضاحت کے بعد ہی کچھ کہا جاسکتا ہے......اور اس ایراد کے تعلق سے جو بات آپ نے کہی ہے ایسا ہوتا نہیں ہے اور جو ہوتا نہیں ہے اسے ہوتا ہوا بتا کر کسی کو اپنے دام فریب میں پھنسانے کی کوشش کرنا کہاں تک درست ہے؟

اگر ایزے مسلمان رام کے تعلق سے اپنے خیالات اور جذبات کے بیان کرنے کا

نام حجت قائم کر کے دعوت امن دینا ہے تو پھر تبلیغ کیا ہے؟ اس بات کی وضاحت بھی درکار ہے دعوت امن کہاں دی جاتی ہے؟ اور کس موقعہ پر دی جاتی ہے؟......کفار کے دیوی ،دیوتاؤں کی ایسی تعریف جس سے ان کا اعزاز ظاہر ہو کفر ہے چاند و سورج دیوی دیوتا نہیں اس لیے اس کی تعریف میں کوئی حرج نہیں......

ایراد چہارم......

آج پرائمری اور اوپر کی نصابی کتابوں میں رام کرشن وغیرہ کا کا تعارف اور بہت ساری تعریف لکھی ہوتی ہے۔لاکھوں مسلم طلبہ ان کو پڑھتے اور امتحانی جوابات میں لکھتے ہیں جب کہ وہ اس پر مجبور اور مضطر نہیں ان نصابی کتب والے معینہ اسکولوں میں داخلہ لینے پر مجبور نہیں اور آپ کے نزدیک صورت اکراہ کے علاوہ کوئی حالت استثنا نہیں تو بتائیے کہ یہ سارے طلبہ ان کے سرپرست اور ان اسکولوں کے منتظمین اور اساتذہ جو بلا جبر و اکراہ اس طرح کی کتابیں چلا رہے ہیں ان کا حکم کیا ہے؟ سب کے سب کافر و مرتد ہیں یا کچھ مستثنیٰ ہیں؟

جواب ایراد چہارم......

نصابی کتابوں میں نہ صرف رام اور کرشن کا تعارف ہوتا ہے بلکہ اس کے ساتھ ساتھ دوسرے مذہب کے بانیوں کا بھی ذکر ہوتا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تعارف بھی ہوتا ہے ......اس شمولیت کا مقصد محض تعارف ہے اور سیکھنے سکھانے کا عمل ہے جو صرف حکایت پر مبنی ہوتا ہے اور اس بارے میں یہ مقولہ مشہور ہے کہ،،نقل کفر کفر نہ باشد'' اس بنیاد پر منتظمین کا دامن بھی سلامت اور اساتذہ کی شخصیت بھی بے داغ سرپرست اور طلبہ بھی پر امن......اور صورت اکراہ وہاں پیش آتی ہے جہاں کفری کلام کا صدور بطور انشاء ہو......مجھے اس بات پر افسوس ہوتا ہے جہاں بطور حکایت کا معاملہ درپیش ہوتا ہے وہاں بطور انشاء کی تلاش کی جا رہی ہے اور جہاں سب کچھ بطور انشاء ہوتا ہے وہاں بطور حکایت ڈھونڈا جا رہا ہے یہ معاملہ الٹی دنیا کا معاملہ دکھائی دیتا ہے......

ایراد پنجم......

فلسفہ یونان صدیوں سے مدارس میں داخل نصاب ہے اور کفریات پر مشتمل ہے مدارس کے منتظمین، اساتذہ اور طلبہ پر تعلیم فلسفہ کے لیے کوئی جبر واکراہ نہ پہلے کبھی تھا نہ آج ہے پھر بھی اس کی تعلیم ہوتی رہی اور آج بھی ہو رہی ہے آپ کے نزدیک صورت اکراہ کے علاوہ کوئی حالت استثناء نہیں تو آپ کے طور پر نہ خود آپ کفر سے بچے نہ ہزار سال کے علمائے اُمت جو کسی وجہ سے اس فلسفہ کی تعلیم و تعلم میں مشغول ہوئے بتائے آپ کا حکم کلی کہاں سے کہاں تک پہنچا؟؟ ہاہا! تکفیر پر قلم اٹھانے سے پہلے انجام کے بارے میں ہزار مرتبہ غور کر لینا چاہیے۔

جواب ایراد پنجم......

اس ایراد کو پڑھتے ہی میں سوچ میں پڑ گیا کہ اس کا جواب دوں یا نہ دوں؟ یہ اس لائق نہیں ہے کہ اس کا جواب دیا جائے اس کی وجہ یہ ہے کہ جو انسان درسیاتی عمل اور تبلیغی عمل کے درمیان فرق و امتیاز کو نہیں سمجھ پاتا ہے اسے قلم پکڑنے کا کوئی حق حاصل نہیں...... پہلے شعور سے کام لیا جائے اس کے بعد ہی قلم پکڑنے کا ہنر سیکھا جائے...... ایراد چہارم کے جواب کو بغور پڑھ لیجئے......اسی جواب میں ایراد خامس کا جواب مضمر ہے اور اسی سے اس بات کا بھی اندازہ ہو جائے گا کہ،، حکم کلی'' اپنی جگہ تابندہ ہے وہ کہیں نہیں گیا ہے البتہ اس میں قصور،، کوردیدنی،، کا ہے یا پھر یہ کرشمہ ہے اس،، شعلہ فشاں طبع گراں بار،، کا جو دکھتی ہوئی رگ پر انگلی رکھتے ہی بھڑک اٹھی ہے......اور پھر یہ تصور کر لیا کہ،، حکم کلی،، بکھر چکا ہے انسان کو اپنا قصور نظر نہیں آتا اسے تو دوسروں پر نشانہ باندھنے کا شوق لگ چکا ہے...... ذرا اس نصیحت کو بھی ملاحظہ فرمائیے،، تکفیر پر قلم اٹھانے سے پہلے انجام کے بارے میں ہزار مرتبہ غور کر لینا چاہیے'' اگر میں یہ کہوں تو یہ کوئی بیجا بات نہ ہوگی کے جماعت اہلسنت/مسلک اعلی حضرت کے ماننے والے ہزار مرتبہ نہیں بلکہ ہزار ہا مرتبہ غور کر لیا کرتے ہیں......مگر اس مقام پر رونا یہ ہے کہ،، سورج کو چراغ،، دکھایا جا رہا ہے...... آنکھ والوں کی رہنمائی بے آنکھ والے

کر رہے ہیں۔ یہ کون سی تہذیب ہے؟ کیسا تمدن ہے ؟ کیا علم کے شہر میں اسی طرح کا کھیل کھیلا جاتا ہے؟ اگر اس کا جواب اثبات میں ہے تو میں کیا کہوں؟ کہنے اور سننے کیلئے باقی ہی کیا ہے؟

ایراد ششم......

شوق تکفیر اس قدر بڑھتا جارہا ہے کہ اکراہ کے علاوہ کوئی صورت استثناء نظر ہی نہیں آرہی ہے اور کسی کے دیوی، دیوتا کی تعریف اگر چہ اس کے شخصی اوصاف کے لحاظ سے ہو اگر چہ دیوی، دیوتا سے ماننے سے انکار کے ساتھ ہو اگر چہ الزام حجت کے طور پر ہو بہر حال کفر قرار پاتا ہے بلکہ قائل کی تکفیر لازم ہے......یغوث، یعوق، نسر وغیرہ بعض تفسیروں کے مطابق خدا کے نیک بندے تھے ان کے معتقدوں نے یادگار کے لیے ان کے مجسمے بنائے، بعد کے لوگوں نے انہیں معبود بنالیا۔ اب اگر یغوث، یعوق وغیرہ کی طہارت وصالحیت کا کوئی ثنا خواں ہو تو آپ کے طور پر وہ کفر صریح کا مرتکب ہے۔ اس کے کلام میں کسی تاویل کی گنجائش نہیں، اگر چہ وہ ان کی الٰہیت سے صاف طور پر منکر ہو۔ حضرت مسیح وحضرت عزیر علیہما السلام کے متعلق بھی غور کرلیں ایک طبقہ ان کو بھی الٰہ یا ابن اللہ کہتا ہے اور سارے مسلمان ان کی تعریف کرتے ہیں۔

جواب ایراد ششم

بات کہاں کی تھی اور کہاں تک جا پہنچی؟ رام کی تعریف کرنے کا شوق اس قدر دراز ہوا کہ یعوق، یغوث اور نسر تک کھینچ دیا اس سے بھی ان کا شوق پورا نہ ہوا تو اسے کھینچتے ہوئے یارانِ شوق حضرت مسیح اور حضرت عزیر تک لے آئے کیا اور بھی کہیں لے جانے کا ارادہ ہے؟ یا اسی پر بس ہے...... بقول آپ کے: یغوث، یعوق اور نسر وغیرہ خدا کے نیک بندے تھے ...... یادگار کے طور پر ان کے مجسمے بنائے گئے اور بعد میں انہیں مجسموں کو معبود بنالیا گیا اس سے صاف طور پر ظاہر ہوتا ہے کہ معبود ان کے بنائے گئے مجسمے ہیں......ان کی ذات اور شخصیتیں نہیں اور جب یہ مجسمے ڈھا دیئے گئے تو ان کا معبود ہونا بھی متزلزل ہو گیا اسی طرح

حضرت عیسیٰ اور حضرت عزیر علیہما السلام ان دونوں کے تعلق سے ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ دونوں اللہ پاک کے برحق نبی ہیں اور جن لوگوں نے انہیں الٰہ یا ابن اللہ کہا وہ غلطی پر ہیں اب اگر کوئی مسلمان ان حضرات کی تعریف کرتا ہے یا ان کے اعزاز میں جو کلمات استعمال کرتے ہیں۔ ان کلمات سے ان کی ذوات یا شخصیتوں کی جانب تبادر ذہنی ہوگا نہ کہ ان کے تعلق سے غیروں کے معتقدات فاسدہ کی جانب یہی عوام کا عرف ہے اور یہی خواص کا عرف ہے رام اور کرشن کے تعلق سے معاملہ ان سب کے معالات سے بہت زیادہ الگ ہے کہ عرف عام وخاص میں رام کی شہرت دیوی، دیوتا سے ہے اس کے علاوہ اس کا کوئی اور تصور نہیں ہے۔ ایسی صورت میں اگر کوئی تعریف کرتا ہے یا انکے اعزاز میں اپنی زبان کھولتا ہے تو عرف عام میں ان کا یہی تصور ہوگا کہ وہ دیوی اور دیوتا ہی کی تعریف کرر ہا ہے اس بنا پر یہ کفر صریح ہے اور اس میں تاویل کی کوئی گنجائش نہیں ہے...... اگر یہ موٹی سی بات آپ کی سمجھ میں نہیں آرہی ہے تو کیا کہا جائے

ایراد ہفتم

موجودہ تکفیری و تفضیلی شور وغوغا کو دیکھ کر وہابیہ یہ بولنے اور لکھنے لگے ہیں کہ ''بریلویوں کو دیکھو لو آپسی عداوت کی وجہ سے ایک دوسرے کی تکفیر پر تُلے ہوئے ہیں...... کل ان کے امام نے بھی ہمارے بزرگوں کو اپنی کسی رنجش کی وجہ سے کافر کہہ دیا اور آج سارے بریلوی اس کو بالکل صحیح اور برحق مانتے ہیں...... حالانکہ امام احمد رضا قدس سرہ نے تا حد امکان تکفیر مسلم سے اجتناب کا حکم دیا ہے...... بتایئے بیجا تکفیر کا نشانہ کہاں سے کہاں پہنچا......؟ اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی اصل عبارت ،،صحیح فتویٰ'' میں درج ہے اسے دیکھیں سنی اور دیوبندی دونوں سبق حاصل کریں......

جواب ایراد ہفتم

دیوبندی اور وہابی حضرات ضرور بولتے اور لکھتے ہونگے جس طرح یہ احساس آپ کو ستا رہا ہے اسی طرح ہمیں بھی ستا رہا ہے مگر درمیان میں ،،عداوت'' کی بات مناسب نہیں

...... یہ بات نہ کل مناسب تھی اور نہ ہی آج مناسب ہے دیوبندی حضرات تو عداوت کی بات کہیں گے ہی ...... اگر وہ یہ نہ کہیں گے تو کیا یہ کہیں گے کہ ان کے امام نے جو بھی کیا ٹھیک ہی کیا ہے...... مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آپ نے یہ کیسے کہہ دیا کہ عداوت کی بنیاد پر یہ تکفیر کی گئی ہے کیا سو میں سے پچانوے غلطی پر ہیں ؟ تو پھر اس پانچ کی کیا اہمیت ہو گی ؟ جو پچانوے کے خلاف اپنی الگ راہ اختیار کیے ہوئے ہیں اور پھر اس صورت میں جب کہ یہ پانچوں، پچانوے کے ایک فرد کے بھی مساوی نہیں ہے...... جہاں تک شور وغوغا کی بات ہے تو عرض ہے کہ یہ بات دھیان میں رہے کہ شور وغوغا ہمیشہ دوسرے فریق کی طرف سے ہوا کرتا ہے کسی ایک فریق کے خلاف فتویٰ دینے کی روایت کسی بھی صورت میں خلوص پر مبنی نہیں بلکہ اس میں نفسیات شامل ہوتی ہے اور پھر اس نفسیاتی فتویٰ کو صحیح کا نام دینا اور بھی زیادہ غلط ہے نہ اسے فتویٰ کا نام دیا جاسکتا ہے اور نہ ہی اسے صحیح کہا جاسکتا ہے...... ہاں نفسیات کا سہارا لے کر اسے شور وغوغا ضرور کہا جاسکتا ہے...... جن علماء کرام نے تکفیر کا فتویٰ دیا انہوں نے ناگزیر حالت میں فتویٰ دیا اور اس کا مقصد نہ صرف فرد واحد کی اصلاح ہے بلکہ ملت کے جسم ناتواں سے اس مرض کا ازالہ مقصود تھا جو رفتہ رفتہ ملت کو کمزور کر رہا تھا ہمارے اور آپ کے امام سیدنا اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے بھی یہی کیا تھا جسے ہم لوگ انجام دے رہے ہیں تکفیر سے اجتناب تا حدِ امکان ہے اور جو معاملہ حد امکان سے ماورا ہو جاتا ہے تو تکفیر ناگزیر ہو جاتی ہے اور یہ ناگزیر حالت ،، کفر صریح ،، میں پیش آتی ہے...... شور وغوغا آپ کریں اور الزام ہم پر ...... یہ کہاں کا انصاف ہے؟ ذرا غور کیجئے اور دانشمندی سے کام لیجئے اسی میں آپ کی بھلائی ہے اور ہم سب کی بھلائی ہے...... دیوبندیوں کے لیے بھی اس میں عبرت ہے کہ شریعت کے معاملہ میں ہم کسی کی رو رعایت نہیں کرتے ہیں اس معاملہ میں جہاں ہم بیگانوں کے لیے سخت ہیں وہیں اپنوں کے لیے بھی سخت ہے......

ایراد ہشتم

ہم اپنے تمام اکابر کا احترام کرتے ہیں اور نہایت ہی ادب سے ان کا نام لیتے ہیں وہ

اور ہی لوگ ہیں جنہوں نے اپنے بزرگوں کی علمی اور فنی روایتوں کو چھپانے کی کوشش کی ہے صرف یہی نہیں بلکہ جب بھی انہوں نے چاہا انکی تحقیقات پر اپنی تحقیق کو فوقیت دی ہے..... ہماری جماعت آج جس پُرفتن دور سے گزر رہی ہے اس کے محاسبتی عمل میں ایک راہ آئی اسے میں نے نہایت ہی دیانت داری سے بیان کر دیا ہے...... جامعہ ازہر اور ندوۃ العلماء کے مابین بہت زیادہ فرق ہے ہمارے بزرگوں نے ندوۃ العلماء سے ہمیشہ انحراف کی راہ اختیار کی ہے یہ انحراف کل بھی پایا جاتا تھا اور آج بھی پایا جا رہا ہے اس کا بین ثبوت یہ ہے کہ اس دور کے بعد آج تک ہمارے اکابر میں سے کسی نے بھی اپنے شاگردوں کو ندوۃ العلماء پڑھنے کے لیے نہیں بھیجا ہے اس کے برخلاف جامعہ ازہر پڑھنے کے لیے طلباء برابر بھیجے جا رہے ہیں اور یہ عمل آج تک جاری ہے اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ جامعہ ازہر ندوۃ العلماء کی مانند نہیں ہے...... اس لیے غصہ کی حالت میں لال پیلے ہونے کے بجائے اس پر سنجیدگی سے غور کریں اور آئندہ احتیاط سے کام لیں

☆☆☆☆

باب پنجم

بے حیا باش ہر چہ خواہی کن

کچھ لوگوں کی فطرت میں ضد اور انانیت بھری ہوتی ہے اور پھر وہ اس انانیت میں اسقدر مدہوش ہوجاتے ہیں اور ایسا مدہوش ہوجاتے ہیں کہ انھیں کسی کی پرواہ نہیں رہتی ہے۔ جو جہاں کررہا ہے اسے کرنے دو اس میں کس قدر نقصان ہوتا ہے انھیں اس کی بھی فکر نہیں ہوتی ہے۔ انھیں تو صرف اپنی جھوٹی شان دکھانے سے مطلب ہے، اس کے سوا ان کا کوئی نصب العین نہیں ہوتا ہے۔ خوبصورت انداز میں ایسوں کو کیا کہا جائے؟ کہنے سے بھی کوئی مقصد حل نہیں ہوتا ہے ایسا اس لیے ہوتا ہے کہ ''بے حیا باش ہر چہ خواہی کن،، کہ بے حیا ہوجاؤ اس کے بعد جو چاہو کرو......

انٹرنیٹ پر موجود ''ای میل سسٹم'' کے ذریعے ایک کتاب دستیاب ہوئی۔ جس کا نام ''موجودہ تکفیری شور وغوغا پر ایک فیصلہ کن تحریر'' اور ٹھیک اس کے نیچے ''تکفیر مسلم پر تحقیقی نظر'' لکھا ہوا ہے......اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس میں کیا صحیح ہے؟ اور کیا غلط ہے؟ اس تعلق سے مجھے کچھ عرض کرنا ہے......اس کتاب کا مؤلف بھاری بھرکم ہے اور ایک بڑے ادارہ کا مدرس ہے......استاذ ہے۔ پہلی نظر پڑتے ہی اس کتاب سے کوئی بھی متاثر ہوسکتا ہے مگر جیسے ہی وہ اندرونی صفحات میں پہنچے گا ویسے ہی اس کی تاثیر کی ساری بلند و بالا عمارت زمیں دوز ہوتی ہوئی محسوس ہوتی ہے......جس طرح ''عرفانِ مذہب مسلک'' کے مطالعہ سے دانش و

بینش اور فکر و شعور کے ساتھ حادثۂ جانکاہ پیش آیا...... علمی، فکری، فنی اور برسوں سے جمع کی ہوئی صلاحیتوں، استعدادوں کا بادل پھٹتا ہوا دکھائی دیا...... یہ کوئی افسانہ نہیں ہے بلکہ حقیقت اور مشاہدہ ہے وہ جس کا کبھی ادب سے نام لیا جاتا تھا آج اس کا برا حشر ہے کوئی پرسان حال نہیں......

اس عاشقی میں عزت سادات بھی گئی
پھرتے ہیں میرؔ خوار کوئی پوچھتا نہیں

یہی کچھ حال اس کتاب کا بھی ہے......یقین مانیئے اس کتاب میں وہ کچھ نہیں ہے جس کی یہاں ضرورت ہے۔ جہاں تک لکھنے کی بات ہے تو لوگ لکھتے ہیں اور آئندہ بھی لکھتے رہیں گے......لیکن لکھنا دراصل وہ لکھنا ہے جو ضرورت کے مطابق ہو اور موقع و محل کے مناسب ہو...... جہاں تک میں نے اس بارے میں غور کیا......اور فکر و شعور کی نگاہ سے دیکھا تو میں نے یہ محسوس کیا کہ اس کتاب میں وہ کچھ بھی نہیں ہے جس کو ہونا چاہیے۔ ہوسکتا ہے میری یہ فکر اوروں کی فکر سے تال میل نہ کھائے۔ اس لیے کہ اس کتاب کا مؤلف کسی اور دنیا میں مست ہو اور میری فکر کہیں اور سیر کرتی ہو......ہاتھ کنگن کو آرسی کیا؟ تو آیئے دیکھتے ہیں آپ کہاں ہیں؟ اور میں کہاں ہوں؟ ......

ہاتھ کنگن کو آرسی کیا

آیئے ایک ایک جملہ پر غور کرتے ہیں اور اس بات کو جاننے کی کوشش کرتے ہیں کہ اس میں کیا صحیح ہے؟ اور کیا غلط ہے؟ پہلا جملہ ہے ”موجودہ تکفیری شور وغوغا“ اس جملہ کا انطباق کس پر کیا گیا ہے؟ ناگپور کے فتویٰ پر یا کسی اور پر؟ اس کا تعین کرنا آپ کی ذمہ داری ہے اور آپ کا فرضِ منصبی بھی ہے...... چلیے ہم مان لیتے ہیں کہ ”ناگپور“ ہی کے فتویٰ کو ”موجودہ تکفیری شور وغوغا“ کہا ہے، اب انصاف سے بتایئے کہ ”ناگپور“ میں ”شرعی کونسل بریلی شریف کے اجلاس میں جو استفتاء پیش کیا گیا تھا......وہ استفتاء تھا یا نہیں؟ اگر وہ استفتاء ہے تو اس کا جواب ”فتویٰ“ ہوا جیسا کہ فقہ کا ضابطہ ہے السوال معاد للجواب کہ سوال

جواب کا معیار ہوتا ہے یعنی جو پوچھا جاتا ہے اسی کا جواب بھی دیا جاتا ہے......اس سے یہ حقیقت واضح ہوگئی کہ فتویٰ پوچھا گیا اور جواب میں فتویٰ دیا گیا......بہر حال یہ فتویٰ ہے اور فتویٰ شرعی حکم ہوتا ہے مسلمانوں کو اس کا احترام کرنا چاہیے اور اس پر سنجیدگی سے غور کرنا چاہیے اور جہاں تک ہو سکے اس پر عمل کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے......مگر اس پر افسوس ہوتا ہے کہ آپ نے اس فتویٰ کو فتویٰ تصور نہ کیا اور اسے،،شوروغوغا،، سے تعبیر کر دیا......یہ کہاں کا انصاف ہے اور کیسی دیانت ہے......یہ لغزش کسی ایرے غیرے سے واقع ہوتی تو تھوڑی دیر کے لیے صبر کر لیا جاتا کہ وہ فتویٰ کی حیثیت کو جانتا ہی نہیں اور نہ اس کی قدر و قیمت سے واقف ہے......مگر یہ لغزش ہوئی بھی تو کس سے؟ ایک علامہ سے! کسی علامہ کے بیٹے سے......ایک استاذ سے اور وہ بھی ایک بڑے ادارہ کے مدرس سے......بات سمجھ میں آ گئی کہ اس بڑے ادارہ میں کیا ہوتا ہے؟ یہ ادارہ اس لیے نہیں قائم کیا گیا تھا کہ آپ جو چاہیں کریں اور جو مرضی میں آئے لکھیں اور بولیں......اس طرح کی بات وہ کرتا ہے جو ہائے جیکر ہوتا ہے......بولیے ہیں اور ہندوستان کا سنی مسلمان آپ کو کیا کہے علامہ یا ہائے جیکر؟ آپ کو پورا اختیار ہے اپنے لیے آپ کیا پسند کرتے ہیں؟ لیکن اس بات کا بھی دھیان رہے کہ اگر آپ اپنے لیے علامہ کا انتخاب کرتے ہیں تو یہ صرف صفحات کا نمایاں حصہ ہوگا اور ہائے جیکر اس کا مدہم حصہ ......

جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

یہ بات سب کو معلوم ہے کہ شوروغوغا کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی ہے بلکہ یہ ایسا ہی ہوتا ہے جیسے کوئی ہوا میں محل بنائے......تو پھر آپ اور آپ کا پورا گروپ اس کے پیچھے کیوں پڑا ہے؟ کیا یہ سبق فراموش کر بیٹھے کہ ہوائی محل کے پیچھے پڑنا بھی حماقت ہے......نادانی ہے...... اور جہالت بھی ہے۔ یہ بھی اچھا ہے کہ آپ نے اس فتویٰ کو،،شوروغوغا،، کہا......ہم ناراض نہیں ہیں بلکہ خوش ہیں اگر اس انداز میں بھی آپ ہمیں یاد نہ کرتے تو ہم کیا کر لیتے؟ اور آپ کا کیا بگاڑ لیتے؟ چلیے اسی بہانے نے اس شوروغوغا کو کم از کم یاد تو کر لیا......

شوروغوغا کیا ہوتا ہے؟ ہر ایک اردو داں اس بات کو جانتا اور سمجھتا بھی ہے اس میں

ایک ہی قسم کی آوازیں شامل نہیں ہوتی ہیں ...... مختلف قسم کی آوازیں جب اس میں ایک دوسرے سے ملتی ہیں اور وہ آوازیں بھی بے ہنگم ہوں کوئی آواز کیسی ہو اور دوسری کوئی آواز کسی اور انداز کی ہوتب کہیں جا کر،،شور وغوغا،، ہوتا ہے اور جب مختلف قسم کی آوازیں ایک ہی نوعیت سے ملتی ہیں۔ یہ آوازیں ''شور وغوغا'' نہیں ہوتی ہیں۔ اس سے بات واضح اور صاف ہو جاتی ہے کہ جن آوازوں کو آپ نے ''شور وغوغا'' کہا ہے وہ،،شور وغوغا،، نہیں ہے...... ہاں جب آپ اور آپ کے ہم خیال افراد کی آوازیں اس میں شامل ہوئی ہیں تب سے یہ ''شور وغوغا'' ہوئی ہیں...... آپ حضرات کی آوازوں کی شمولیت سے قبل یہ صرف ایک فتویٰ تھا...... ایک حکم شرعی تھا...... اور ایک مسئلہ شرعیہ تھا یہ تو ایسا ہی ہوا جیسے کسی صاف ستھرا اور پاک پانی میں شراب کی ایک بوند ڈال دی جائے اور پورے پانی کو ناپاک کر دیا جائے...... سنجیدہ دماغ رکھنے والوں سے سوال ہے اس میں قصور کس کا ہے؟ صاف ستھرا پانی رکھنے والوں کا! یا پھر اس کا قصور ہے جس نے شراب کی ایک بوند ڈال کر بالٹی کے پورے پانی کو ناپاک کر دیا،؟ کیا خوب چلے تھے آپ شکار کرنے کو مگر آپ خود ہی اس میں الجھ کر رہ گئے اور اس طرح الجھ کر رہ گئے کہ جناب کو نکلنے کے لیے کوئی راستہ ہی باقی نہ رہا...... اس کے باوجود یہ دعویٰ کہ ہم علامہ ہیں استاذ ہیں اور میری تحریر فیصلہ کن ہے اور تحقیقی ہے کہاں تک صحیح ہوسکتا ہے، اس بات کو قارئین خوب اچھی طرح سمجھ رہے ہوں گے یا پھر وقت بتائے گا کہ آپ کیا ہیں؟ اور کیا نہیں ہیں اور یہ بھی بتائے گا کہ کیا صحیح ہے اور کیا صحیح نہیں ہے؟

ایک بار پھر آپ کو یاد دلا دیں کہ مولانا عبدالحق کی کتاب کا نام،، موجودہ تکفیری شور غوغا پر ایک فیصلہ کن تحریر،، ہے...... تکفیری شور وغوغا،، پر ایک فیصلہ کن تحریر کی پیوند کاری بھی عجیب وغریب ہے...... مولانا کو تو صرف لکھنے اور مصنف بننے کا شوق ہے اور پیوند پر پیوند لگانے کا زور ہے انہیں اس بات سے کوئی غرض نہیں کہ وہ پیوند صحیح ہے یا صحیح نہیں ہے برا ہو اس ازدیاد شوق کا جو خود اپنے آپ سے چنگاری بھی مشتعل کرتا ہے اور پھر اسے ٹھنڈا کرنے کی کوشش بھی کرتا ہے ایک طرف مولانا،،شور وغوغا'' کہہ کر نا پائداری کو ثابت کر رہے ہیں اور

دوسری جانب فیصلہ کن تحریر لکھ کر اسے پائدار بنانے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں ...... یہ تو ایسا ہی ہے جیسے کوئی ہوا میں محل تعمیر کرے یا پھر کسی دلدل میں اپنے رہنے کے لیے بلڈنگ تیار کرے۔ ان کے اس عمل سے اس بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ مولانا کو ناپائدار کو پائدار بنانا اور پائدار کو ناپائدار کرنا خوب آتا ہے۔ اسی لیے مولانا کہیں شور وغوغا کی بات کرتے ہیں اور کہیں فیصلہ کن تحریر کی بات کرتے ہیں۔ ان کی یہ روش کیسی ہے؟ اس بات کو مولانا بھی جانتے ہیں، ان کے دوست واحباب بھی جانتے ہیں اور تمام اہلِ فکر وادب بھی جانتے ہیں ...... مولانا کے قلم کی لغزشات اسی پر ختم نہیں ہوتی ہیں بلکہ اس سے آگے جہاں اور بھی ہیں۔

مولانا موصوف اپنی کتاب کے نام کے نیچے ایک اور مرکب ناقص ''تکفیر مسلم'' کا اضافہ فرماتے ہیں، میرے خیال میں یہ ترکیب ہی غیر واقعی صورت حال سے دو چار ہے۔ اس کے وجوہات درج ذیل ہیں:

الف ...... ایک طرف مولانا نے شور وغوغا کہا اور دوسری طرف تکفیر مسلم ...... دونوں میں کیا مناسبت ہے؟ اس کے بعد یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ نسبت کیسی ہے؟ لزومی یا التزامی؟ ...... کیا شعور وغوغا کی اس قدر پائدار حقیقت ہے کہ اسے تکفیر مسلم سے تعبیر کیا جائے؟ اگر جواب ہاں میں ہے تو یہ بھی واضح کیا جائے کہ یہ کمال اسی دور کی جدت ہے یا اس سے پہلے بھی کبھی ایسا ہوا ہے۔ اگر کہیں ایسا ہوا ہے تو اس کی نشاندہی کی جائے تاکہ ہم کہہ سکیں کہ ہاں، ہاں ایسا ہوا ہے۔

ب ...... تکفیر مسلم میں جو اضافت پائی جاتی ہے وہ اضافت حقیقت پر مبنی ہے یا مجاز پر یا پھر ان دونوں میں سے کوئی نہیں ہے؟ تو پھر یہ کیا ہے؟

ج ...... تکفیر مسلم میں مسلم سے کیا مراد ہے؟ پورا اسلامی سماج یا اس کے تمام افراد یا اس کے بعض افراد اور پھر اس بعض میں سے مجہول افراد مراد ہیں یا معلوم افراد

د ...... اگر مسلم سے کوئی فرد معین مراد ہے تو ظاہر ہے اس فرد معین ہی کی طرف تکفیر کی نسبت ہوگی اگر یہ نسبت خود آپ کی اپنی ایجاد کردہ ہے تو پھر بتایئے اس نسبت کی کیا وجہ ہے؟

اور اس کا محرک کیا ہے؟ بہر حال اس کا جو بھی محرک ہو اس کو واضح کیا جائے

س......اگر یہ نسبت کسی سے اُدھار لی گئی ہے، تو پھر یہ بتائیے کہ اس کی ضرورت کس لیے پیش آئی......کیا اس لیے کہ یہ نسبت آپ کے پاس تھی ہی نہیں؟

ش......یہ بات آپ کو بھی معلوم ہے کہ ایک فرد وہ ہوتا ہے جو مجہول ہوتا ہے اور دوسرا وہ فرد ہوتا ہے جو مفروض ہوتا ہے۔ کبھی اسے زید سے تعبیر کیا جاتا ہے، کبھی خالد اور بکر سے اور اگر کبھی ضرورت پڑتی ہے تو اسے عمرو سے واضح کر دیا جاتا ہے۔ دارالافتاء میں جس قدر بھی سوالات آتے ہیں ان میں فرد مفروض ہی کا ذکر کیا جاتا ہے۔ یہی فرد مفروض زید تھا جس کے تعلق سے سوال کیا گیا تھا اور اسی کے تعلق سے جواب بھی دیا گیا تھا......ایک فرد مفروض کی بنیاد پر ''تکفیر مسلم'' کی بات کہاں تک درست ہے؟ اس طرح کے فتاویٰ ہزاروں کی تعداد میں مختلف دارالافتاء سے دیئے گئے ہیں مگر اسے تکفیر مسلم کا نام و لقب نہیں دیا گیا، آخر کیوں؟ اور ناگپور کے فتویٰ میں وہ کون سی خصوصیت تھی کہ آپ حضرات اس قدر چراغ پا ہیں......اور غضب کی حالت میں تحریر پر تحریر سپردِ قرطاس کر رہے ہیں......کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے۔

ص......کوئی کسی مسلمان کی تکفیر کیوں کرے گا اور اس میں فائدہ بھی کیا ہے؟ بلکہ اس میں خود اپنا نقصان ہے کہ ہمارا ایک فرد ملت اسلامیہ سے باہر ہو رہا ہے اور مسلم سماج سے کٹ رہا ہے۔

ع......جسم کے جس حصّے میں درد ہوتا ہے یا جس حصّے میں مریض ہوتا ہے اسی کا علاج کیا جاتا ہے اور جسم کے جس عضو میں فساد پایا جاتا ہے اسی کو کاٹ کر پھینک دیا جاتا ہے کہ یہی اس کا علاج ہے۔ اب اگر کوئی ڈاکٹر اس بیمار حصے کا علاج نہ کرے بلکہ اس کے پاس والے حصے کا علاج کرے یا اسی کو کاٹ کر پھینک دے تو کیا اسے علاج کا نام دیا جاسکتا ہے؟ نہیں ہرگز نہیں! ٹھیک اسی طرح زید بیمار ہوا، مرض کی تشخیص ہوئی اور اس کے لیے علاج کا بندوبست کیا گیا......آپ کو ان پر رحم آنا چاہیے اور ترس کھانا چاہیے......مگر آپ نے ایسا نہیں کیا بلکہ زید ہی کو اسپتال سے لے کر رفو چکر ہو گئے آپ کیسے حکیم اور ڈاکٹر ہیں؟ جو مریض کو چھپائے پھر

رہے ہیں یہ تو غیر انسانی اور غیر طبعی اور غیر اصولی عمل ہے اس بنیاد پر کوئی بھی آپ کو اس منصب سے معزول کر سکتا ہے مگر بھلا ہو اس کبر وانانیت اور بے شرمی کا کہ منصب کے لائق نہ ہوتے ہوئے بھی اب تک منصب پر براجمان ہیں۔

ف......مگر مچھ کے آنسو کے بارے میں تو آپ نے سنا ہی ہوگا ہندوستان کے کچھ علاقوں میں کرائے پر رونے والوں کو بلایا جاتا ہے اور جس کو رونا چاہیئے وہ نہیں روتا ہے یہاں بھی یہی صورت حال ہے کہ جس کو درد ہو رہا ہے وہ تو نہیں رو رہا ہے ہاں وہ رو رہا ہے جسے درد نہیں ہے۔ بھلا بتایئے یہ رونا کیسا رونا ہے؟ یہ خوشی کا رونا ہے یا غم کا رونا ہے؟ کیا اس طرح کا رونا مناسب ہے؟ نہیں ہرگز نہیں!

ق......ایک بیمار زید کی بنیاد پر آپ نے ،،تکفیر مسلم،، کی اصطلاح گڑھ لی ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس اصطلاح میں ایک بیمار اور مفروض کا خون دوڑ رہا ہے اس لیے یہ اصطلاح بھی بیمار ہے

مولانا صاحب! خوب اور بہت خوب کہ جوش جنوں میں کہاں سے کہاں تک پہنچ گئے؟ کاش یہ دیوانگی صحیح سمت میں ہوتی تو اس کا انداز ہی کچھ اور ہوتا، تحریر کا اسلوب بھی شگفتہ ہوتا اور تحریر سے بھی خوشبو آتی ہوئی محسوس ہوتی......لیکن کیا کیا جائے کہ یہ خوشبو آپ کے نصیب میں ہی نہیں ہے......جب گھر کا دروازہ ٹھیک ہوتا ہے تو پوری عمارت ٹھیک ہوتی ہے اور جب اسی میں کمی ہے تو کچھ بھی ٹھیک نہیں ہے......یہ ساری گفتگو مولانا کی کتاب کے نام اور لقب کے تعلق سے تھی......اب اس کے بعد دیکھیے کہ اس میں کیا ہے اور کیا نہیں ہے؟............

یہ ابتدائے عشق ہے روتا ہے کیا

دیکھیئے آگے آگے ہوتا ہے کیا

☆☆☆☆☆☆☆

باب ششم

تکفیر مسلم کا قضیہ

تکفیر مسلم کے تعلق سے ''باب پنجم'' میں کچھ سوالات قائم کیے گئے ہیں، ان کے جوابات تو مؤلف موصوف کو دینا ہے۔ اب یہ ان کی مرضی ہے کہ وہ جواب دیں یا نہ دیں۔ میرے خیال میں یہ ترکیب ہی غلط ہے عربی ادب اور اصول ادب کے اعتبار سے ''اضافت'' کے لیے ادنیٰ مناسبت ہی کافی ہوتی ہے مگر اس بات کا بھی خیال رہنا چاہیے کہ کسی ترکیب کے لیے اُصولِ ادب سے مطابقت ہی کافی نہیں ہوتی ہے بلکہ اس میں یہ بھی دیکھا جاتا ہے کہ خارج میں اس کا مصداق بھی ہونا چاہیے کیونکہ وجود مصداق کے بغیر ترکیب کسی کام کی نہیں ہوتی ہے...... تھوڑی دیر کے لیے یہ بات انہونی ضرور محسوس ہوتی ہے مگر سچی بات یہ کہ اس کا مصداق بھی ہو...... اس ترکیب کا معنیٰ یہ ہوتا ہے کہ،، مسلمانوں کو کافر کہنا'' جب کہ یہ بات حقیقت ہے کہ اس دار فانی میں کوئی بھی مسلمان کسی مسلمان کو کافر نہیں کہتا ہے اور نہ ہی اس کے بارے میں کسی مسلمان کے دل میں کوئی جذبہ ابھرتا ہے اور نہ ہی اس کے ذہن میں کوئی خیال سر اُٹھاتا ہے تو پھر،، تکفیر مسلم،، کی بات کرنا اور اسے لکھنا کیوں کر درست ہوسکتا ہے؟ اور دوسری بات یہ کہ اسلام مسلمانوں کے درمیان رشتہ اخوت کی بات کرتا ہے جیسا کہ انما المؤمنون اخوۃ کہ مومن آپس میں بھائی بھائی ہیں...... مسلمان آپس میں لڑتے ہیں لاٹھیوں اور ڈنڈوں کا استعمال کرتے ہیں زبان درازیاں کرتے ہیں گالی گلوج سے کام لیتے

ہیں ایک دوسرے کے درپئے آزار ہو جاتے ہیں اس کے باوجود کوئی کسی کو کافر نہیں کہتا ہے کیا اس سے یہ بات واضح نہیں ہوتی کہ کسی کو کافر کہنا کس قدر مشکل ہے؟ اور اس میں کس قدر دشواری ہے؟ جب ایک مسلمان دوسرے مسلمان کو کافر کہنے کو تیار نہیں اور وہ بھی عام حالت میں نہیں بلکہ غیض وغضب کی حالت میں اور نہایت ہی غصہ کی حالت میں ......تو پھر ایک عالم ......ایک دانشور......اور ایک مفتی کسی کو کس طرح کافر کہہ سکتا ہے؟ لوگ بات بات پر بندوق، پستول نکال لیتے ہیں اور کبھی کبھی تو قتل کی واردات بھی انجام دے دیتے ہیں مگر کافر نہیں کہتے اور نہ کسی کو کافر بولتے ہیں......تو کوئی مفتی عام حالت میں کس طرح کسی مسلمان کو کافر کہہ سکتا ہے؟ مفتی کو اس بات کا بھی بخوبی اندازہ ہے کہ کافر کہنے میں خطرہ ہی خطرہ ہے اور انہیں اس بات کا بھی علم ہے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کسی نے اپنے مومن بھائی کو کافر کہا اگر وہ ایسا ہی ہے تو ٹھیک ہے اور اگر وہ ایسا نہیں ہے تو یہ کلمہ اسی کی طرف لوٹ جائے گا ......کسی بھی دارالافتاء کا مفتی بالکل آزاد نہیں ہوتا ہے بلکہ وہ شریعت کے تقاضوں کے دائرہ میں رہتا ہے اور کوئی بھی فیصلہ کافی غور وفکر کے بعد ہی لیتا ہے......ایسا نہیں ہے کہ ہمارے مفتیان عظام بغیر سوچ وچار کیے ہی فتویٰ لکھ دیا کرتے ہیں مفتی کوئی بھی ہو اور کہیں کا بھی ان کا یہی خاصہ ہے اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ کوئی مفتی غیر طبعی حالت میں کسی سوال کا جواب نہیں دیتا ہے۔ اس لیے کہ انہیں معلوم ہے کہ ایسی حالت میں فتویٰ لکھنے کو منع کیا گیا ہے......اس احتیاط کے باوجود اگر کوئی فتویٰ کو،،تکفیر مسلم'' پر محمول کرتا ہے تو اس بارے میں صرف اور صرف یہی کہا جا سکتا ہے کہ یہ اس کا اپنا نصیب ہے......

تکفیر مسلم کوئی اصطلاح نہیں ہے نہ یہ شرعی اصطلاح ہے اور نہ ہی سماجی اصطلاح ہے اور نہ ہی کوئی معاشرتی اصطلاح ہے بلکہ غیروں نے اہلسنّت و جماعت کو بدنام کرنے کے لیے گڑھ لیا ہے۔ اس سے زیادہ اس کی اور کوئی حیثیت نہیں ہے۔ مجھے افسوس اس بات پر ہوتا ہے کہ مولانا موصوف نے اسے اپنی تالیف میں کس طرح جگہ دے دی؟ شاید مولانا نے اس پر غور نہیں کیا! میں یہ تو نہیں کہہ سکتا کہ مولانا اس کے معنیاتی نظام سے نا آشنا ہیں اس لیے کہ وہ

ایک بڑے اور بہت بڑے ادارہ سے منسلک ہیں اور جو اس طرح کے ادارہ میں رہتا ہے اس کا دعویٰ ہے کہ اس کے دستِ دل میں معنی وخیال کا دامن رہا کرتا ہے مگر مولانا اس مقام پر چوک گئے......اور معنی وخیال کا دامن ان سے چھوٹ گیا...... یہ ایک المیہ ہے......ایک ٹریجڈی ہے۔

تکفیر اس دور کا کوئی نیا مسئلہ نہیں ہے بلکہ اس سے قبل بھی اس قسم کے مسائل پیدا ہوئے ہیں اور خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میری امت ۷۳ رفرقوں میں بٹ جائے گی......ان میں صرف ایک فرقہ جنت میں جائے گا اور بقیہ تمام فرقے جہنم میں جائیں گے اور ظاہر ہے جہنم میں جانے والے فرقوں کے بدعی اور کفری عقائد ونظریات ہیں کیا اس میں اس بات کا اشارہ نہیں ہے،؟ کہ ان میں سے بعض فرقوں کی تکفیر کی جائے گی......کیا یہ تکفیر بھی ''تکفیر مسلم'' ہے یا نہیں؟ اور ہر فرقہ کے لیے خلود فی النار کا فیصلہ۔ کیا تکفیر مسلم ہے؟ اگر یہ بھی تکفیر مسلم ہے تو حدیث کا کیا افادہ ہے؟......

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ کے دور میں کچھ قبائل نے زکوۃ ادا کرنے سے انکار کردیا۔ حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان قبائل سے جہاد فرمایا، کیا یہ بھی تکفیر مسلم ہے؟ اس قسم کے حالات ہر دور اور ہر صدی میں پیدا ہوئے ہیں۔ کبھی ان کا مقابلہ تلوار سے کیا گیا اور کبھی قلم سے......کیا یہ بھی تکفیر مسلم ہے؟......سوچیئے اور جواب دیجئے ......جب کوئی کفر کا ارتکاب کرتا ہے خواہ وہ کفر فقہی ہو یا کفر کلامی بہر حال اس کی تکفیر کی جائے گی غیر معین صورت میں کی جائے یا معین صورت میں ......ایسی ناگزیر حالت پر،، تکفیر مسلم'' کا اطلاق جہالت ونادانی اور تعمق فکر سے عاری ہونے کی دلیل ہے......ہاں جو فرقہ صرف گناہوں کے سبب کسی کو کافر کہتا ہے تو ایسی صورت میں،، تکفیر مسلم،، کا استعمال درست ہوسکتا ہے جیسے کوئی یہ کہے کہ ہم اہل قبلہ کو کافر نہیں کہتے ......اور جب کسی کو اسکے کفر کی بنیاد پر کافر کہا جارہا ہے تو،، سرے سے ''تکفیر مسلم،، ہی صادق نہیں ......اس لیے میں مشورہ دیتا ہوں کہ مولانا اپنے نظریہ پر دوبارہ غور کرلیں تو بہتر ہے......

☆☆☆☆☆☆

باب ہفتم

کفر اور ایمان کی وضاحت

کفر و ایمان...... یہ دو لفظوں یعنی کفر اور ایمان سے مرکب ہے۔اس کے استعمال کی مختلف صورتیں ہیں کبھی صرف ،،کفر،، بولا جاتا ہے اور کبھی صرف ،،ایمان،، اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ دونوں ایک ساتھ بولے جاتے ہیں مگر معنیاتی نظام میں کفر فرع ہے اور ایمان اصل ہے اس بات کی توضیح اس انداز میں بھی کی جاسکتی ہے کہ ،،کفر،، موقوف ہے اور ،،ایمان،، موقوف علیہ ہے اس کا مطلب یہ ہوا کہ کفر کا سمجھنا ایمان کے سمجھنے پر موقوف ہے اصولی اعتبار سے ،،موقوف علیہ'' مقدم ہوتا ہے اور ،،موقوف'' متأخر ہوتا ہے اس لیے پہلے ،،ایمان،، کی وضاحت کی جارہی ہے کہ ایمان کیا ہے؟

ایمان کیا ہے؟ (از روئے لغت):

ایمان...... امن سے مشتق ہے اور لغت عرب میں اس کا استعمال دو طریقے سے ہوتا ہے۔اس کا پہلا طریقہ یہ ہے کہ یہ ،،متعدی بنفسہ'' ہوتا ہے اس صورت میں اس کا معنی ''تامین'' یعنی امن دینا ہے۔اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وامنھم من خوف — اور انہیں ایک بڑے خوف سے امان بخشا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

النجوم امنة السماء فاذا ذهبت النجوم اتى السماء ما توعد وانا امنة لاصحابى فاذا ذهبت اتى اصحابى ما يوعدون واصحابى امنة لامتى فاذا ذهب اصحابى اتى الامة ما توعد۔ اس حدیث پاک میں امنة، امین کی جمع ہے۔اس کا معنی حفاظت کرنے والا یا امان والا ہے......اس کا ترجمہ اس طرح کیا جاسکتا ہے: ستارے آسمان کے لیے امان ہیں جب ستارے ڈوب جاتے ہیں تو آسمان کو وہ پہنچتا ہے جو اس سے وعدہ کیا گیا......میں اپنے صحابہ کے لیے امان ہوں جب میں ان کے درمیان سے چلا جاؤں گا تو میرے صحابہ کو وہ پہنچے گا جو ان سے وعدہ کیا گیا ہے ٹھیک اسی طرح میرے صحابہ میری امت کے لیے امان ہیں ان کے رخصت ہونے کے بعد میری امت کو وہ پہنچے گا جو ان سے وعدہ کیا گیا ہے......اس سے معلوم ہوا کہ ایمان کا معنی حفاظت، سلامتی اور امان و امن والا ہے۔

اس کا دوسرا استعمال کبھی لام کے ساتھ ہوتا ہے اور کبھی باء کے ساتھ......ان دونوں صورتوں میں ایمان کا مطلب ،،تصدیق،، ہے۔کلام پاک میں ہے وما انت بمومن لنا یعنی تم ہمارے مصدق نہیں اسی طرح امنت باللہ بولا جاتا ہے یعنی ہم اللہ تعالیٰ کی تصدیق کرتے ہیں......اس کے مقابلہ میں تکذیب کا استعمال ہوتا ہے یہ تقابل لغوی معنی کے اعتبار سے ہے......

ایمان کیا ہے؟ (شریعت کے اعتبار سے)

اصل میں ایمان تصدیق قلبی کا نام ہے۔ یہ بسیط ہے مرکب نہیں ہے اسی لیے امام اعظم کے نزدیک زبان سے اقرار کرنا اور اس کے مقتضا پر عمل کرنا حقیقت ایمان میں داخل نہیں......ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ دنیا میں اجرائے احکام کے لیے زبان سے اقرار کرنا شرط ہے کہ اس کے بغیر کسی پر مومن کا اطلاق دشوار ہو جاتا ہے......ذیل میں فقیہ اجل، متکلم ابجل شمس العلماء حضرت مولانا شمس الدین احمد صاحب جعفری علیہ الرحمۃ والرضوان کی کتاب مستطاب قانونِ شریعت کی ایک عبارت پیش کی جارہی ہے:

☆ ایمان یہ ہے اللہ و رسول کی بتائی ہوئی تمام باتوں کا یقین کرے اور دل سے سچ جانے...... مسلمان ہونے کے لیے اتنا کافی ہے کہ صرف دین اسلام ہی کو سچا مذہب جانے اور کسی ضروریاتِ دینی کا منکر نہ ہو اور ضروریاتِ دین سے کسی ضرورتِ دینی کے خلاف عقیدہ نہ رکھتا ہو۔ اگر چہ ضروریات دین کا اس کو علم نہ ہو...... لہٰذا بالکل لٹھ گنوار، جاہل جو اسلام اور پیغمبر اسلام کو حق مانے اور اسلامی عقیدوں کے خلاف کوئی عقیدہ نہ رکھے۔ چاہے کلمہ بھی صحیح نہ پڑھتا ہو وہ مسلمان ہے کافر نہیں...... البتہ نماز، روزہ، حج وغیرہ اعمال کے ترک سے گنہگار ہوگا لیکن مومن رہے گا۔ اس لیے کہ اعمال ایمان میں داخل نہیں [۳]

اعمال اگر چہ ایمان کی ماہیت میں داخل نہیں مگر اس بات سے بھی کسی کو انکار نہیں کہ اچھے اور نیک اعمال سے ایمان میں تازگی، روح میں بالیدگی اور دلوں کو طراوت ملتی ہے اس کے برخلاف جس کے اعمال اچھے نہیں ہوتے ہیں ان کے ایمان میں وہ بات نظر نہیں آتی ہے جو ایک اچھے مومن کے ایمان میں دکھائی پڑتی ہے...... ایمان وہ عظیم دولت ہے جس کا مقابلہ دنیا کی کوئی دولت نہیں کر سکتی ہے یہی وہ ایمان ہے جسے خراب و برباد کرنے اور اسے اُچکنے کے لیے قدم قدم پر ایمان کے لٹیرے کھڑے دکھائی پڑتے ہیں خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ اپنی مبارک انگلی سے زمین پر ایک سیدھی لکیر کھینچی اور اس کے دائیں ، بائیں مختلف ٹیڑھی لکیروں کو کھینچتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ یہ بیچ والی سیدھی لکیر ہی ،،صراط مستقیم،، ہے اور اس کے دائیں بائیں جو ٹیڑھی لکیریں ہیں شیاطین کی لکیریں ہیں ہر ایک ٹیڑھی لکیر پر شیطان بیٹھا ہے جو صراط مستقیم پر چلنے والوں کو اپنی طرف بلا رہا ہے یہ حدیث پاک تقریباً صحاح ستہ کی ہر ایک کتاب میں موجود ہے۔ اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ ایمان والوں کے لیے ہر ہر قدم پر خطرہ ہے اور عظیم خطرہ ہے ان خطروں سے خود ایمان والوں کو نپٹنا ہے یعنی ایمان والوں کو خود اپنے ایمان کی حفاظت کرنی ہے۔ اس کی حفاظت کس طرح کی جائے؟ اس کا تذکرہ بھی قرآن و احادیث میں مصرح ہے جو اہل ایمان سے پوشیدہ نہیں ...... صاحبِ ایمان خود تو اپنے ایمان کی حفاظت نہیں کرتے اور دوسروں سے کہتے پھرتے

ہیں میرے ایمان کی حفاظت کرو، یہ کہاں کا انصاف ہے؟ اور کیسی دانش مندی ہے؟ ایمان کو قوت وتوانائی عطا کرنے کے لیے کبھی اعمال صالحہ انجام دیئے جاتے ہیں اور کبھی ان چیزوں کے انجام دینے سے اپنے آپ کو روک لیتا ہے، جن کے انجام دہی میں ایمان کے لیے خطرات پیدا ہو جاتے ہیں......اب ذیل میں ان چیزوں کا ذکر کیا جارہا ہے جو ایمان کے لیے خطروں کی حیثیت رکھتی ہیں:

تکفیر، تعریف، شرائط اور موانع

لغت میں اس کا معنی،، ستر اور تغطیہ،، ہے یعنی چھپ جانا اور چھپانا ہے از روئے لغت کسان کافر ہے کہ وہ دانوں کو زمین کے اندر چھپایا کرتا ہے کفر کا یہ معنی عالم محسوسات سے تعلق رکھتا ہے اور عالم معنیات میں اس کا معنی،، تکذیب اور اعراض'' ہے یعنی ایمان کو جھٹلانا اور ایمان سے رخ پھیر لینا ہے اسلامی شریعت میں،، کفر'' ایمان کی ضد اور نقیض ہے......یہ بات بھی معلوم ہے کہ ایمان کے مختلف شعبے ہیں اسی طرح کفر کے بھی مختلف شعبے ہیں ......بعض کفریات ایسے ہیں جن کے ارتکاب سے ارتداد کا حکم دیا جاتا ہے اور بعض کفریات کی بنیاد پر صرف حکم کفر عائد ہوتا ہے......جس طرح ایمان ایک شرعی مسئلہ ہے اسی طرح کفر بھی ایک شرعی مسئلہ ہے بہر حال اس کا احترام اور ادب واجب ہوتا ہے اگر کسی پر حکم کفر عائد ہوتا ہے تو جس پر عائد ہوا ہے اسے بھی اس کا احترام کرنا چاہیے اور اس کے متعلق افراد کو بھی اس کا ادب کرنا واجب ہے، کہ یہ ایک شرعی مسئلہ ہے یہ کوئی غیر شرعی چیز نہیں ہے جسے نظر انداز کر دیا جائے......میں نے بعض لوگوں کو یہ کہتے سنا کہ ''کفر'' ایک فتنہ ہے ان سے پوچھا جائے کہ یہ فتنہ ہے تو پھر کس بنیاد پر ہے اور اگر یہ فتنہ ہے تو کیا اسے نظر انداز کر دیا جائے۔ فقہ کی کتابوں سے اس باب کو جدا کر دیا جائے اگر آپ کی رائے یہی بنتی ہے کہ ہر کتاب سے ابواب کفر نکال دیئے جائیں تو پھر ایک سوال اور سامنے آتا ہے کہ جن لوگوں نے فقہ کی کتابوں میں اس کا ذکر کیا ہے۔ ان کے بارے میں کیا حکم ہے اور ان کتابوں کو کیا کیا جائے جن کتابوں میں،، کفریات کا بیان،، پہلے ہی سے موجود ہے اس کے بارے میں جناب عالی

کا کیا ارشاد ہے؟ کون کون سے کفریہ کلمات ہیں؟ اور کس سے کفر لازم آتا ہے اور کس سے کفر لازم نہیں آتا ہے؟ یہ تمام باتیں پوری وضاحت کے ساتھ فقہ کی کتابوں میں درج ہیں۔ مزید اس کی وضاحت کی ضرورت نہیں ہے۔

کہاں کافر کہا جائے اور کہاں کافر نہ کہا جائے؟ یہ بحث الگ نوعیت کی ہے۔ پورے طور پر نہ تو کسی کو کافر کہنے سے روکا گیا ہے اور نہ ہی مکمل طور پر اس بات کی اجازت دی گئی ہے کہ جسے چاہو کافر کہو اس میں کوئی روک ٹوک نہیں ہے...... بلکہ کسی کو کافر کہنے میں بہت زیادہ خطرہ ہے عربی میں،، کافر کہنے،، کو،، تکفیر'' سے تعبیر کیا گیا ہے یہ بات ہمیں بھی معلوم ہے اور آپ بھی جانتے ہیں کہ جب کوئی ناگزیر حالت سامنے آتی ہے اور اس سے بچنے کی کوئی تدبیر نظر نہیں آتی ہے تب کہیں جا کر،، تکفیر'' سے کام لیا جاتا ہے اور سچ پوچھئے تو تکفیری صورت مسلمانوں کے لیے توبہ کی راہ ہموار کرتی ہے اور اپنے کیے کفری کردار و عمل اور قول و تلفظ سے رجوع کی ترغیب دیتی ہے...... بالفرض اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ کسی بھی صورت میں تکفیر نہ کی جائے تو اس سے بڑی بھیانک صورت حال پیدا ہو جائے گی اور انسان یوں ہی کفر کی حالت میں مر مرا کر چلا جائے گا...... اور اسے احساس تک نہ ہوگا...... بہر حال یہ بات ثابت ہے کہ کسی کی تکفیر کی جاسکتی ہے مگر احتیاط سے......

اگر گہرائی سے مسئلہ تکفیر پر غور کیا جائے تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ تکفیر کی صورت میں کسی کی ذات و شخصیت پر،، وصف کفر،، کا انطباق کیا جاتا ہے اگر اس کا انطباق کسی ایسے انسان پر کیا جائے جہاں کفر کی ''متضاد صفت'' یعنی ایمان سرے سے ہی نہیں پایا جاتا ہے تو وہ ''کافر اصلی'' ہے اور اگر کسی ایسے پر کیا جائے جہاں ''صفت متضادہ'' پائی جاتی ہے، تو اسے ''مرتد'' کا نام دیا جاتا ہے...... اس طرح کا انطباق کبھی غیر معین پر کیا جاتا ہے اور کبھی معین پر کیا جاتا ہے...... غیر معین پر انطباق کے لیے نہ ضروریات دین کے انکار کی حاجت ہوتی ہے اور نہ ہی ثبوت قطعی کی ضرورت ہوتی ہے بلکہ اس کے لیے ظنی ثبوت ہی کافی ہے اگر اس سے کفری کلام صادر ہوا ہے تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس کلمہ کا قائل کافر ہے اسلام سے خارج ہے اور

اس پر تجدید ایمان ونکاح اور توبہ واستغفار لازم ہے......میں سمجھتا ہوں ہندوستان کے تمام دارالافتاء سے اسی قسم کے احکام صادر کیے جاتے ہیں اگر ہر ایک مفتی کے لیے یہ ضروری قرار دے دیا جائے کہ تکفیر کا حکم نافذ کرنے کے لیے پوری تحقیق کر لی جائے تو یہ "تکلیف مالا یطاق" ہوگی اور شریعت اس کا حکم نہیں دیتی ہے جیسا کہ اللہ پاک ارشاد فرماتا ہے:

"لا یکلف اللہ نفساً الّا وسعھا"۔

جہاں تک کسی معین شخص پر اس کے انطباق کی بات آتی ہے تو اس کے لیے قطعی طور پر "ثبوتِ قطعی" کی ضرورت پڑتی ہے، اس کے لیے یہ بھی ضروری ہے "موانع تکفیر" میں سے کوئی مانع بھی نہ ہو ورنہ اگر کوئی مانع پایا جاتا ہے تو وہاں تکفیر جائز نہیں کہ تکفیر کے لیے کچھ شرائط ہوتے ہیں اور کچھ موانع ہیں جن کا ارتفاع ضروری ہوتا ہے......

تکفیر کے شرائط

پہلی شرط یہ ہے کہ کفری کلام کا قائل مکلف ہو بالغ، عاقل اور غیر مجنوں ہو۔

دوسری شرط یہ ہے کہ کلام کا کفری ہونا ظاہر ہو اور احتمال کی صورت میں اس سے معنی کفر مراد ہونا دلائل سے ثابت ہو۔

تیسری شرط یہ ہے کہ کلمہ کفر کا صادر ہونا شرعی شہادت سے ثابت ہو۔

چوتھی شرط یہ ہے کہ قائل نے کفری کلمہ سے کفر کا ہی معنی مراد لیا ہو...... یہ بات یقین سے ثابت ہو۔ کوئی بھی قائل یہ نہیں کہتا ہے کہ میں نے کلمہ کفر سے معنی کفر ہی مراد لیا ہے بلکہ اس کے مراد ہونے کا ثبوت مختلف طریقوں سے ہوتا ہے۔

الف......کسی کلمۂ کفر کے تعلق سے اس کے قائل سے بار بار وضاحت کا مطالبہ کیا جائے کہ اس نے مذکورہ کلمۂ کفر سے کون سا معنی مراد لیا ہے۔

ب......اگر کوئی قائل وضاحتی بیان دینے کے بجائے ٹال مٹول کر رہا ہے تو اس سے یہی سمجھا جائے گا کہ قائل کو اس بات کا اقرار ہے اس نے اس سے معنی کفر ہی مراد لیا ہے۔

ج......قائل کا اس عبارت کا شائع کرنا اور بار بار اس کی اشاعت اس بات کو ثابت کرتا

ہے اس کلمہ سے وہی معنی مرادلیا ہے جو متنازع فیہ ہے۔

د......اس عبارت کا اقرار جس میں یہ کلمہ کفر پایا جاتا ہے اس اقرار سے بھی یہ ثابت ہوتا ہے اس نے وہی معنی مرادلیا ہے جو کفری ہے اس کی وجہ یہ ہے عبارت اور معانی کے مابین تساوی کی نسبت پائی جاتی ہے اسی لیے عبارت کا اقرار معانی کا اقرار کرنا ہے۔

جب یہ چاروں شرائط پائی جائیں تو شرعی طور پر تکفیر معین میں کوئی قباحت نہیں ہوگی بشرطیکہ موانع تکفیر میں سے کوئی مانع نہ پایا جائے، اب ذیل میں موانع کا بیان کیا جارہا ہے۔

موانع تکفیر

اولاً......موانع تکفیر میں سے،،جہل،، بھی ایک مانع ہے خواہ یہ جہل من کل الوجوہ ہو یا من بعض الوجوہ یعنی کلمہ کفر کا بولنے والا بالکل نپٹ جاہل ہو یا پھر مسئلہ دائرہ سے بالکل ناواقف ہو......ایسی صورت میں اگر کوئی غلطی کرتا ہے تو اسے حکم دیا جاتا ہے کہ توبہ استغفار کرے۔

ثانیاً......خطایا سبقت لسان...... بسا اوقات یہ دیکھنے میں آتا ہے مقرر تقریر کرتے وقت بولنا کچھ چاہتا ہے اور اس کی زبان سے کچھ اور نکل جاتا ہے ایسی صورت میں بھی مقرر سے توبہ واستغفار کا مطالبہ کیا جاتا ہے اور رجوع کا حکم دیا جاتا ہے۔

ثالثاً......تاویل بھی مانع تکفیر ہے مگر یہ اس مقام پر مفید ثابت ہوتی ہے جہاں کلمہ یا جملہ کا کفری ہونا ظاہر نہ ہو کہ ظاہر ہونے کی صورت میں تاویل کی حاجت ہی نہیں ہے۔

رابعاً......اکراہ مانع تکفیر ہے جب کہ اکراہ شرعی ہو اور دل ایمان ویقین پر مطمئن ہو اس صورت میں اگر کسی کے منھ سے کلمات کفریہ کا صدور ہوتا ہے تو اس پر حکم کفر صادر نہیں ہوگا۔

تکفیر غیر معین کو،،کفر لزومی سے تعبیر کیا جاتا ہے اور تکفیر معین کو کفر التزامی کا نام دیا جاتا ہے......کفر لزومی کی صورت میں بھی حکم کفر دیا جاتا ہے کہ اگر یہ کفر دار الافتاء سے نہ دیا جائے تو عوام کفریات کے بکنے اور بولنے پر جری وبے باک ہوجائے گی اور امن وامان اس جہاں سے اُٹھ جائے گا، اسی صورت کو ''کفر فقہی'' بھی کہا جاتا ہے۔ فقہ کی متداول کتابوں میں فقہی

کفریات اور ان سے متعلق جزئیات سیکڑوں کی تعداد میں مصرح ومتبین ہیں اور کفر کلامی کے لیے شرائط وموانع بیان کر دیئے گئے ہیں......ہم آگے چل کر اس بات کی وضاحت کریں گے کہ ناگپور والا فتویٰ کس زمرہ میں آتا ہے کفر لزومی کے زمرہ میں یا پھر کفر کلامی کے زمرہ میں آتا ہے۔حالانکہ اس کے تعلق سے اب تک جس قدر مضامین اور مقالے لکھے گئے ہیں ان میں اس بات کی وضاحت موجود ہے اس کے باوجود علمائے مبارکپور کو انکار کی ضد ہے اور بڑوں کے دامن سے کھلواڑ کرنے کی عادت ہے......مولانا عبدالحق صاحب نے اپنی کتاب موجودہ تکفیری شور وغوغا میں کچھ مقدمات کا ذکر کیا ہے۔ان پر بھی طائرانہ نظر ڈالنا ضروری ہے کہ ہماری جماعت میں اس کتاب سے جو غلط فہمیاں پیدا ہوئی ہیں ان کا ازالہ ہو جائے کہ انہیں تو آشیاں کے تنکوں کو جلا کر اپنے ہاتھوں کو سینکنے میں مزہ آتا ہے......خیر جس کی جو خو ہے یہ اسی کو مبارک ہو......

☆☆☆☆☆☆☆

باب ہشتم

مقدمات کا تنقیدی جائزہ

مولانا عبد الحق صاحب رضوی نے اپنے خطیب و مقرر کو کفریات کی دلدل سے نکالنے کی پوری کوشش کی ہے اور جا بجا تاویلات سے کام لیا ہے۔ اس کے باوجود وہ اپنی کوششوں میں کامیاب نہیں ہو سکے ہیں۔ بلکہ ان کا محبوب خطیب اور زیادہ گہری کھائی میں گر گیا ہے اور حد تو یہ ہے کہ جو لوگ اُن کی حمایت میں آئے ہیں، ان کے چہرے بھی لہولہان ہو گئے ہیں...... جب کہ ضابطہ یہ ہے کہ کسی کی حمایت میں اسی حد تک آنا چاہیے جس حد تک شریعت اجازت دیتی ہو۔ مگر مولانا کو شرعی تقاضوں کی فکر نہیں ہے بلکہ انہیں فکر ہے تو صرف کسی کے شخصی اوصاف کی...... اسی کو شخصیت پرستی کا نام دیا جاتا ہے اگر یہ جذبہ انفرادی طور پر ہوتا تو یقینی طور پر معاف کر دیا جاتا مگر جب معاملہ اجتماعی حدود میں داخل ہو جاتا ہے تو کسی کو بھی تباہی اور ہلاکت کے دہانے تک لے آتا ہے...... مولانا نے اپنے خطیب کو بچانے کے لیے چار مقدموں کا ذکر کیا ہے اور ہر ایک مقدمہ میں علمائے اہل سنت خاص طور سے مجدد اعظم اور سرکار مفتی اعظم کی تحریرات کو پیش کیا ہے...... ان تحریرات کے تعلق سے کسی کو کیا اعتراض ہو سکتا ہے مگر مولانا کے اندازِ پیش کش میں جو کمی ہے اسے اس مقام پر پیش کرنا ضروری ہے تاکہ ہماری جماعت کے افراد مزید الجھنوں کے شکار نہ ہوں...... مقدمات کا ذکر ملاحظہ کریں۔

ساتھ ساتھ اس پر تبصرہ بھی پیش کیا جاتا ہے......

مقدمہ اولیٰ......

مولوی عبد الحق صاحب نے پہلے مقدمہ میں ایمان کی تعریف کی ہے، دینی ضروریات کی وضاحت کی ہے اور ضروریاتِ اہلِ سنت کا تذکرہ بھی کیا ہے......اور یہاں مسئلہ دائرہ یہ ہے کہ ''ہندوؤں کے دیوی دیوتاؤں کی تعریف اور وہ بھی ہندوؤں کی مذہبی تقریبات میں جا کر کرنا، کیسا ہے؟ اس مسئلہ دائرہ کا ایمان سے کیا رشتہ ہے؟ دینی ضرورت اور ضروریاتِ اہلِ سنت سے اس کا کیا تعلق ہے؟ اگر کوئی تعلق ہے تو اس کی وضاحت لازم تھی اور مسئلہ دائرہ کا اس سے کوئی و تعلق رشتہ نہیں ہے تو پھر بتایا جائے کہ اس مقدمہ کا مسئلہ دائرہ پر انطباق کس طور پر ہوگا۔ اگر انطباق کی کوئی نئی صورت ہے تو اس کی وضاحت ہونی چاہیے......

مولانا موصوف نے اپنے پہلے مقدمہ میں مجدد اعظم اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے حوالہ سے ایک عبارت پیش کی ہے اس عبارت کو اس مقام پر پیش کر دینا میں مناسب سمجھتا ہوں......قارئین اس کا مطالعہ کریں اور مسئلہ دائرہ کو بھی پیش نظر رکھیں......اور یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ خوارج گناہِ کبیرہ کے مرتکب کو کافر جانتے ہیں۔ اب سیدی اعلیٰ حضرت کی تحریر ملاحظہ فرمائیں:

☆ بلکہ مذہب معتمد و محقق میں استحلال بھی علی اطلاقہ کفر نہیں جب تک زنا یا شرب خمر یا ترک صلوۃ کی طرح اس کی حرمت ضروریات دین سے نہ ہو غرض ضروریات کے سوا کسی شی کا انکار کفر نہیں اگرچہ ثابت بالقواطع ہو کہ عند التحقیق آدمی کو اسلام سے خارج نہیں کرتا مگر انکار اس کا جس کی تصدیق نے اسے دائرہ اسلام میں داخل کیا تھا اور وہ نہیں مگر ضروریات دین کما حققه العلماء المحققون من الائمة المتكلمين ولهذا خلافت خلفائے راشدین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا منکر مذہب تحقیق میں کافر نہیں حالانکہ اس کی حقانیت بالیقین قطعیات سے ثابت وقد فصل القول فی ذالك سیدنا العلامة الوالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ فی بعض فتاویه بالجملہ اس قدر پر اجماع

اہلِ سنت ہے کہ ارتکاب کبیرہ کفر نہیں با ایں ہمہ تارک الصلاۃ کا کفر و اسلام قدیم سے ہمارے ائمہ کرام میں مختلف فیہ اقول و باللہ التوفیق اگرچہ کفر تکذیب النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی بعض ما جاء من عند ربہ جل وعلا کا نام ہے اور تکذیب صفت قلب مگر جس طرح اقوال مکفرہ اس تکذیب پر علامت ہوتے ہیں اور ان کی بنا پر حکم کفر دیا جاتا ہے یوں ہی بعض افعال بھی اس کی امارت اور حکم کفر کے باعث ہوتے ہیں کالقاء المصحف فی القاذورات والسجود للصنم و قتل النبی والزنا بحضرته و کشف العورة عند الاذان وقراءة القرآن علی جهة الاستخفاف و کل ما دل علی الاستهزاء بالشرع والازدراء به۔ یہ حکم اس اجماع کا منافی نہیں ہوسکتا کہ نفس فعل من حیث ھو ھو مبناء تکفیر نہیں بلکہ من حیث کونه علما علی الجحود الباطنی والتکذیب القلبی والعیاذ باللہ تعالی منه۔

حضراتِ گرامی! سیدنا اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کی مذکور بالا عبارت آپ کے پیش نظر ہے اس عبارت کو دلیل کے طور پر مولانا عبدالحق صاحب نے بھی اپنے مقدمہ میں پیش کیا ہے اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ اس عبارت کے ذریعہ کیا پیغام دینا چاہتے ہیں جس کی وضاحت ان کی پوری کتاب میں نہیں ہے جب کہ ہونا یہ چاہیے تھا کہ وہ اس پورے مقدمہ اولی کو مسئلہ دائرہ پر انطباق کرتے انہوں نے اس انطباق کا نہ تو صراحۃ ذکر کیا ہے اور نہ اشارۃ ......جو اس بات پر واضح علامت ہے کہ انہوں نے اسے مقدمہ کی حیثیت دے دی جسے نہ دینی چاہئے یا یہ لازم آتا ہے کہ مقدمہ کو اس کے تقاضوں کے پیش نظر نباہ نہ سکے......دعویٰ آسان ہوتا ہے مگر دعوے کو دلائل و براہین سے مزین کرنا مشکل ہی نہیں بلکہ بہت زیادہ مشکل ہوتا ہے......کفر اصل میں ضروریات دین کے انکار ہی کا نام ہے خواہ یہ انکار صریح طور پر کیا جائے یا پھر اس طور پر کہ کسی عبارت یا قول سے یہ انکار لازم آئے اگر یہ انکار صریح طور پر ہے تو یہ التزامی ہے اور مآل کے طور پر ہے تو یہ لزومی ہے......ایمان جہاں تصدیق ما جاء بہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نام ہے وہیں اللہ تعالی کے سوا تمام معبودان باطل سے انکار کا بھی نام

ہے ضروریاتِ دین میں تصدیق بھی شامل ہے اور انکار بھی ...... یہاں انکار سے مراد مطلق انکار ہے یعنی اس کی معبودیت سے بھی انکار ضرورتِ دینی میں شامل ہے اور اس کی صفت سے بھی۔ اور ظاہر سی بات ہے دیوی دیوتا کی تعریف کرنا اور اس کی عزت کسی بھی نوع سے کرنا انکار مذکور کو مشکوک کر دیتا ہے، اس لیے یہ کفر ہے اور جو اس طرح کے اُمور کو انجام دیتا ہے وہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے ...... یہ انکار لزومی ہے یا التزامی ہے اس کی وضاحت مولانا عبدالحق کے ذمہ لازم ہے کہ انہوں نے اپنے مقدمہ میں حضرت سیدنا امام احمد رضا فاضل بریلوی کے حوالہ سے اس کا ذکر کیا ہے جیسا کہ مولانا تحریر کرتے ہیں

★ سید العالمیں محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جو کچھ اپنے رب کے پاس سے لائے ان سب میں ان کی تصدیق کرنا اور سچے دل سے ان کی ایک ایک بات پر یقین لانا ایمان ہے ادامه الله علینا حتی نلقاه به یوم القیامة وندخل به بفضل رحمته دار السلام اٰمین اور معاذ اللہ ان میں کسی بات کا جھٹلانا اور ان میں ادنیٰ شک لانا کفر اعاذنا الله منه بحفظه العظیم ورحم عجزنا وضعفنا بلطفه الفخیم انه هو الغفور الرحیم اٰمین اٰمین اله الحق اٰمین۔ پھر یہ انکار جس سے خدا مجھے اور سب مسلمانوں کو پناہ دے دو طرح ہوتا ہے لزومی اور التزامی ...... التزامی یہ کہ ضروریاتِ دین میں سے کسی شئے کا تصریحاً خلاف کرے، یہ قطعاً اجماعاً کفر ہے۔ اگر چہ نام کفر سے چڑے اور کمالِ اسلام کا دعویٰ کرے۔ کفر التزامی کے یہی معنی نہیں کہ صاف صاف اپنے کافر ہونے کا اقرار کرتا ہو جیسا کہ بعض جہال سمجھتے ہیں۔ یہ اقرار تو بہت سے طوائف کفار میں بھی نہ پایا جائے گا۔ ہم نے دیکھا ہے بہترے ہندو کافر کہنے سے چڑتے ہیں بلکہ اس کے معنی کہ جو انکار اس سے صادر ہوا یا جس بات کا اس نے دعویٰ کیا وہ بعینہ کفر و مخالف ضروریاتِ دین ہو جیسے طائف تالفہ نیا چرہ کا وجود ملک و جن و شیطان و آسمان و نار و جنان و معجزات انبیاء علیهم افضل الصلوٰۃ والسلام سے ان معانی پر کہ اہل اسلام کے نزدیک حضور ہادی برحق صلوٰت اللہ وسلامہ علیہ سے متواتر ہیں انکار کرنا اور اپنی تاویلات باطلہ و توہمات عاطلہ کو لے مرنا نہ ہرگز

ہرگز ان تاویلوں کے شوشے انھیں کفر سے بچائیں گے۔ نہ محبت اسلام وہمدردی قوم کے جھوٹے دعوے کام آئیں گے قاتلھم اللّٰہ انی یؤفکون......اور لزومی یہ کہ جو بات اس نے کہی عین کفر نہیں مگر منجر بکفر ہوتی ہے یعنی مآل سخن ولازم حکم کو ترتیب مقدمات و تمیم تقریبات کرتے لے چلیے تو انجام کار اس سے کسی ضروری دین کا انکار لازم آئے جیسے روافض کا خلافت حقہ راشدہ خلیفہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت جناب صدیق اکبر وامیر المومنین حضرت جناب فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے انکار کرنا کہ تفضیل جمیع صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ عہم اجمعین کی طرف مؤدی اور وہ قطعاً کفر مگر انہوں نے صراحتاً اس لازم کا اقرار نہ کیا تھا بلکہ اس سے صاف تحاشی کرتے اور بعض صحابہ یعنی حضرات اہل بیت عظام وغیرہم چند اکابر کرام علی مولاھم وعلیھم الصلوٰۃ والسلام کو زبانی دعوؤں سے اپنا پیشوا بتاتے اور خلافت صدیقی وفاروقی پر ان کے توافق باطنی سے انکار رکھتے ہیں اس قسم کے کفر میں علماءَ اہلسنت مختلف ہو گئے۔ جنہوں نے مآل مقال ولازم سخن کی طرف نظر کی حکم کفر فرمایا اور تحقیق یہ ہے کہ کفر نہیں بدعت وبدمذہبی وضلالت وگمراہی ہے، والعیاذ باللہ رب العالمین امام علامہ قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالیٰ شفا شریف میں فرماتے ہیں......من قال بالمآل لمایؤدی الیه وقوله یسوقه الیه مذهبه کفرو فکانهم صرحوا عنده بما ادی الیه قولهم ومن لم یواخذهم بمآل قولهمولا الزهم بموجبمذهبهم لم یرا کفارهم قال لانهم اذا وقفوا علی هٰذا قالوالا نقول بالمآل الذی الزمتموهم لنا ونعتقد نحن وانتم کفر بل نقول ان قولنا لا یؤل الیه علی مااصلنا ه فعلی المآخذین اختلف الناس فی اکفار اهل التاویل اه ملخصاً۔

حضرات گرامی! مولانا عبدالحق نے اپنے مقدمہ اولیٰ میں جن باتوں کا ذکر کیا ہے وہ میں نے تفصیل کے ساتھ تحریر کر دی ہے اس کے مشمولات پر ہمیں کیا کسی کو بھی کوئی اعتراض نہیں ہوسکتا ہے مگر مسئلہ یہ ہے کہ اس مقدمہ کا انطباق مسئلہ دائرہ پر کیسے اور کس طرح ہوگا؟ یہ ذمہ

داری مولانا کی ہے اب دیکھنا یہ ہے مولانا اپنی اس ذمے داری کو کس طرح پورا کرتے ہیں؟ اور کس طرح اس سے عہدہ برآ ہوتے ہیں؟............لیکن میں کہتا ہوں کہ

اہلِ علم سے یہ بات مخفی نہیں ہے کہ اس مقدمہ سے ان کے خطیب کو کوئی راحت نصیب ہونے والی نہیں ہے کہ رام کے تعلق سے انہوں نے جو جملے کہے ہیں یقیناً ان جملوں کا تعلق دینی ضرورت سے ہے اگر ان کا تعلق دینی ضرورت سے نہ ہوتا تو کسی بھی صورت میں بتوں کی عزت و تعظیم کو کفریات میں شامل نہ کیا جاتا کہ جس طرح دینی ضروریات میں اوامر شامل ہیں اسی طرح تروک بھی اس میں شامل ہیں......ان میں سے ایک یعنی اوامر پر عمل کرنا اور منہیات کو نظر انداز کر دینا کون سا ایمان ہے؟ کیا ایسا ایمان قابلِ قبول ہو سکتا ہے؟ نہیں ہر گز نہیں...... بلکہ منہیات پر سختی سے عمل کرنا ضروری ہے۔ اس کے بر خلاف اوامر کی بجا آوری میں ''استطاعت'' کی شرط ہے جیسا کہ اللہ پاک کا ارشاد ہوتا ہے: فاتقوا اللہ ما استطعتم کہ تو اللہ سے ڈر جہاں تک ہو سکے۔ (کنز الایمان ص ۸۰۹)

اسی کے تعلق سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: اذا امرتکم بامر فأتوا منه ما استطعتم رواہ البخاری فی الاعتصام بالکتاب والسنة باب الاقتداء بسنن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہ میں جب تمہیں کسی کام کے کرنے کا حکم دوں تو اس میں سے جس قدر ہو سکے اسے بجالاؤ......اسلام اپنے ماننے والوں سے اس بات کا تقاضہ کرتا ہے کہ اسلام میں پورے طور پر داخل ہو جاؤ۔ ایسا نہ ہو کہ کچھ باتیں اسلام کی مانو اور کچھ باتیں توریت وغیرہ کی...... یا اس بات کا تقاضہ کرتا ہے کہ اپنے ایمان پر ثابت قدم رہو اور غیروں کی جانب جانے سے رک جاؤ......جیسا کہ اللہ پاک ارشاد فرماتا ہے کہ یا ایها الذین اٰمنوا ادخلوا فی السلم کافة ولا تتبعوا خطوات الشیطٰن انه لکم عدو مبین ترجمہ......اے ایمان والو اسلام میں پورے داخل ہو اور شیطان کے قدموں پر نہ چلو بیشک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔ (کنز الایمان ص ۸۴)

خطیب صاحب نے ’’رام کتھا‘‘ کی مجلس میں جا کر نہ صرف مسلمانوں کے ساتھ دھوکہ کیا ہے بلکہ اسلام کی بھی توہین کی ہے بتایئے اسلام کی توہین کرنے والا مسلمان ہو سکتا ہے؟ کیا ایسوں کو مجلس میں بلایا جا سکتا ہے؟ کیا وہ اس لائق ہے کہ اسلام کی تبلیغ کر سکے؟ نہیں ہرگز نہیں دامن چاہے جس قدر سفید کیوں نہ ہو مگر یہ وہ سیاہ داغ ہے جو دھلنے نہیں دھل سکتا ہے سوا توبہ اور تجدید ایمان کے...... جو افراد حمایت کی صف میں کھڑے ہیں انہیں ہوش کا ناخن پکڑنا چاہیے اور فکر و تدبر سے کام لینا چاہیے...... مولانا نے مقدمہ اولیٰ کو جس مقصد کے لیے تیار کیا تھا اس میں ناکام دکھائی دے رہے ہیں ان پر لازم ہے کہ اس کے لیے کوئی اور تدبیر عمل میں لائیں...... مقدمہ اولیٰ کا تو یہ حال ہے، اب دیکھتے ہیں انھوں نے مقدمہ ثانیہ میں کیا گل کھلائے ہیں؟

مقدمۂ ثانیہ

مقدمۂ ثانیہ میں مولانا نے صریح کی دو قسمیں بتائی ہیں:

صریح وہ کلام ہے جس کا ظاہر معنی کفر ہو اور اس کلام کی کوئی تاویل قریب نہ ہو اگرچہ کوئی تاویل بعید ہو اس کو ’’صریح متبین‘‘ کہا جاتا ہے...... اس کے علاوہ صریح کا ایک معنی یہ بھی ہے کہ اس میں دوسرے معنی کا قطعاً کوئی احتمال نہ ہو اور نہ یہ دوسرے معنی میں استعمال کیا جاتا ہو تو یہ ’’صریح متعین‘‘ ہے...... اس سے آگے مولانا فرماتے ہیں کہ

اسی قبیل سے وہ کفری کلام ہے جس کا معنی کفر ہی ہو ظاہر معنی بھی کفر ہے اور خفی معنی بھی کفر ہو نہ اس میں تاویل قریب کی گنجائش ہو نہ بعید کی جیسے یہ کہنا کہ اللہ موجود نہیں...... اس سے کلام کی دو قسمیں ثابت ہو گئیں: صریح متبین صریح متعین (تکفیر مسلم پر تحقیقی نظر ص ۹)

اس مذکورہ عبارت میں مولانا اپنی تحقیقی نظر میں فریب کھا گئے اور ایک ہی قسم کے کفری کلام کو ’’صریح متبین‘‘ بھی کہہ گئے اور صریح متعین بھی...... جب کہ مولانا اس سے قبل صریح متبین اور صریح متعین کو از روئے اصطلاح الگ الگ تسلیم کر چکے ہیں...... یہ اس شخص کا مبلغ علم ہے جو مفتیانِ عظام کو پڑھانے اور سمجھانے کا دعویٰ کرتا ہے......

حضرات ......مقام غور ہے کہ ''کلام کفری'' سے قبل صریح متبین اور صریح متعین مثل گنگ وجمن کے الگ الگ سمتوں میں بہہ رہے تھے اور جب ''کفری کلام'' پر آئے تو دونوں کا سنگم ہو گیا اور مقدمۂ ثانیہ کے اختتام تک دونوں سنگم ہی بنے رہے۔ کیا اسی کا نام ''تحقیقی نظر'' ہے؟ اس سے آگے مولانا لکھتے ہیں:

الف......جمہور فقہائے کرام ایسے کلام پر جو کفری معنی میں صریح متبین ہو قائل کو کافر کہتے ہیں کتب فقہ میں سیکڑوں کلمات ایسے مذکور ہیں جو کفری معنی میں صریح متبین ہیں اور فقہا ان کے قائل کو کافر کہتے ہیں......

ب......لیکن محققین فقہاؤ متکلمین فرماتے ہیں اگر قائل کی نیت معلوم نہیں اور کلام میں کسی تاویل کی گنجائش ہے اگر چہ وہ بعید ہو ہم اسے کافر کہنے سے زبان روکیں گے جس کا حاصل یہ نکلا کہ یہ حضرات صریح متبین پر تکفیر نہیں فرماتے ہاں اگر صریح متعین ہو تو یہ بھی کافر کہتے ہیں......

مذکور بالا دونوں عبارتوں یعنی الف اور ب کے پیش نظر چند سوالات درج ذیل ہیں

اولاً......الف میں ''صریح متبین'' کا ذکر کیا گیا ہے اس سے کون سا صریح متبین مراد ہے؟ کلام کفری سے پہلے والا یا کلام کفری والا......؟ اگر پہلے والا ''صریح متبین'' مراد ہے تو اس کا کلام کفری سے کیا تعلق؟ اور اگر کلام کفری والا مراد ہے تو اس کا کیا مفہوم ہے؟ متعین کریں۔

ثانیاً......ب میں دونوں کا ذکر ہے صریح متبین کا بھی اور صریح متعین کا بھی...... صریح متعین کے تعلق سے بھی وہی سوالات ہو سکتے ہیں جو صریح متبین کے تعلق سے اوپر مذکور ہوئے......اس کے علاوہ یہ بھی بتائیے کہ جمہور فقہاء کے نزدیک صریح متبین کا کیا مفہوم ہے اور محققین فقہا اور متکلمین اس سے کیا مراد لیتے ہیں؟ کیا دونوں کے نزدیک ایک ہی مفہوم ہے یا دونوں کے نزدیک الگ الگ ہے؟

ثالثاً......مولانا نے ''البحر الرائق'' کی ایک عربی عبارت کا ترجمہ کرتے ہوئے ارشاد

فرمایا کہ: خلاصہ وغیرہ میں ہے جب کسی مسئلہ میں کفر کے متعدد وجوہ ہوں اور ایک وجہ تکفیر سے روکتی ہو تو مفتی پر واجب ہے کہ اسی وجہ کا اعتبار کرے جو تکفیر سے منع کرتی ہو مسلمان کے ساتھ حسن ظن کی بنا پر...... البتہ جب کفری معنی کے مراد ہونے کی صراحت ہو تو اسے تاویل نفع نہ دے گی ...... اور ''تاتارخانیہ'' میں ہے کہ محتمل پر تکفیر نہیں کی جائے گی ...... مولانا اس ترجمہ کو خوب دھیان لگا کر پڑھیں اور غور کریں، اس کے بعد جواب عنایت کریں۔

☆......اس میں جس مسئلے کی بات کہی گئی ہے وہ صریح ہے یا غیر صریح؟

☆......اگر صریح ہے تو پھر کون سا صریح ہے؟ متبین یا متعین؟

☆......اگر متبین ہے تو اس میں تاویل قریب نہیں ہوتی بلکہ تاویل بعید ہوتی ہے......تو بتائیے کہ کسی مسئلہ میں کس حد تک تاویلات بعیدہ ہو سکتے ہیں؟

☆......اور اگر اس سے صریح متعین مراد ہے تو یہ تاویلات کیوں؟ کہ صریح متعین میں تاویل کی گنجائش ہی نہیں ہوتی۔

☆......اور اگر اس سے مراد غیر صریح یعنی محتمل مراد ہے تو خلاصہ کی عربی عبارت کے ترجمہ کو مقدمہ ثانیہ میں پیش کرنا مناسب نہیں کہ اس کی ابتدا ہی صریح سے ہو رہی ہے مولانا موصوف نے مقدمہ ثانیہ میں مختلف مقام پر مختلف عبارتیں پیش کی ہیں......مثلاً ج......لزوم و التزام میں فرق ہے، اقوال کا کلمہ کفر ہونا اور بات اور قائل کو کافر مان لینا اور بات۔ ہم احتیاط برتیں گے جب تک ضعیف سا ضعیف احتمال ملے گا حکم کفر جاری کرتے ڈریں گے۔ (سل السیوف الھندیہ ص ۲۲)

مولانا صاحب سے اس بات کی وضاحت مطلوب ہے کہ مقدمہ ثانیہ میں لزوم و التزام کی بحثوں کو پیش کرنے کی وجہ کیا ہے؟ لزوم و التزام اور صریح کے درمیان کیا نسبت ہے؟ یا پھر دونوں الگ الگ ہیں ......دونوں کے درمیان نسبت ہے تو کیسی نسبت ہے اور اگر دونوں الگ الگ ہیں تو دونوں کو ایک ہی مقدمہ کے سایہ میں پیش کرنے کی وجہ کیا ہے اس کی وضاحت کی جائے......

جب ایک مقدمہ میں اس قدر خلط مبحث ہے تو پوری کتاب کا حال کیا ہوگا؟ قارئین خود سمجھ سکتے ہیں۔ بہر حال آگے آگے دیکھیے ہوتا ہے کیا؟

اسی طرح مولانا نے کسی مقام پر احتیاط کی بات کہی ہے اور کہیں راجح کی بات کہی ہے جب کہ مولانا کو اس بات کا علم ہونا چاہیے کہ جواز کی بات اور ہے اور احتیاط کی بات اور ہے احتیاط پر عمل کرنے کا قطعی یہ مطلب نہیں ہوتا ہے کہ تکفیر نا جائز ہے۔

اگر کہیں اس کا مطلب ناجائز ہونا ہے تو اس کی وضاحت درکار ہے۔ مولانا بہت بڑے عالم ہیں اور اتنے بڑے عالم ہیں کہ بڑے بڑے مفتیانِ کرام کو پڑھانے اور سمجھانے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ ہوسکتا ہے ان کی نظر میں ایسا کوئی مطلب ہے تو مجھے بتائیں، تا کہ مجھے بھی اس بات کا علم ہو جائے ...... میں اس مقدمہ ثانیہ کے تحت اس سے زیادہ گفتگو کرنا مناسب تصور نہیں کرتا، اس لیے اس بحث کو اسی پر ختم کرتا ہوں۔

مقدمۂ ثالثہ

مولانا موصوف نے مقدمۂ ثالثہ کو ''کفر واکفار اور دونوں کے مابین فرق و امتیاز'' سے موسوم کیا ہے۔ اس میں کوئی ایسی نئی بات نہیں پیش کی گئی ہے جسے ناگپور کے سیمینار میں شریک ہونے والے مفیان عظام نہ جانتے ہوں ......جن علماء نے تکفیر کے حکم کو جاری کیا وہ بھی اس بات کو جانتے تھے کہ کفر الگ چیز ہے اور تکفیر الگ چیز ہے اس کے باوجود ان قابل ترین مفتیانِ عظام نے حکم تکفیر جاری فرما دیا......اس کا مطلب یہ کہ مسئلہ دائرہ میں حکم تکفیر نا گزیر تھا اور اس کے بنا کوئی چارہ کار نہیں تھا۔ اگر یہ حکم نافذ نہ کیا جاتا، ہوسکتا تھا کہ ان کے دیکھا دیکھی دوسرے مقررین کی جرأت میں اضافہ ہوتا اور یہ بھی ظنِ غالب تھا کہ خطیب موصوف کے زیر سایہ پرورش پانے والے صاحبانِ جبہ و دستار اپنی راہ سے بے راہ ہوسکتے تھے۔ اس لیے فتنوں کو اس کے اُبھرنے سے پہلے ہی کچلنے کے لیے احتیاط حکم تکفیر ہی میں تھا، جسے انجام دے دیا گیا۔ جو لوگ اس حکم کے خلاف بول رہے ہیں انہیں اپنے نظریہ پر از سر نو غور کرنا چاہیے، مگر اس شرط کے ساتھ کہ دل میں اللہ تعالیٰ کا خوف ہو اور بڑوں کی بارگاہ میں

سر تسلیم خم کرنے کا جذبہ ہو...... ورنہ پھر یہی کہا جائے گا کہ: بے حیا باش ہر چہ خواہی کن

مقدمۂ رابعہ

یہ مقدمہ کفر و اکفار اور دونوں کے درمیان فرق و امتیاز سے موسوم ہے اس میں مولانا نے اپنی طرف سے کوئی بات نہیں کہی ہے بلکہ سرکار مفتی اعظم کی ایک تحریر کو پیش کیا ہے، جسے مرشد گرامی وقار نے اپنی تصنیف لطیف ''الموت الاحمر'' کے حاشیہ میں تحریر کی ہے اور جسے تحقیق انیق سے شروع کیا گیا ہے۔ اس تحریر کا خلاصہ یہ ہے کہ تکفیر اس وقت کی جاسکتی ہے جب نہ کلام میں شبہ ہو اور نہ ہی تکلم میں شبہ ہو اسی طرح متکلم میں بھی شبہ نہ ہو...... اگر ان تینوں میں سے کسی ایک میں بھی شبہ پایا جائے گا کسی کی تکفیر نہیں کی جاسکتی ہے...... میرے خیال میں مولانا اس مقدمہ میں پورے طور پر ناکام ہیں اس لیے اس مقدمہ سے انہیں کوئی فائدہ پہنچنے والا نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ باریکیاں مولانا سے کہیں زیادہ وہ مفتیانِ عظیم اور علمائے کرام جانتے ہیں جو ''شرعی کونسل آف انڈیا'' کے فقہی سیمینار ناگپور میں شریک تھے......مولانا کے اسی مقدمہ کے تناظر میں مسئلہ دائرہ کے تحت عرض ہے کہ یہاں نہ کلام میں کوئی شبہ پایا جاتا ہے اور نہ تکلم میں......اور متکلم میں بھی کوئی شبہ نہیں...... جن افراد نے خطیب متنازع فیہ کی تقریر سنی ہے وہ افراد بخوبی جانتے ہیں کہ رام کی تعریف میں جو جملے کہے گئے ہیں ان میں سے ہر ایک جملہ کفر میں صریح متعین ہے اس لیے شبہ فی الکلام نہیں ......اور یہ کلام اسی زید کا ہے جو سوال نامہ میں مذکور ہے اور خود خطیب کو اس بات کا اعتراف ہے کہ یہ جملے میرے ہی ہیں کسی اور کے نہیں ہیں جیسا کہ اس سوال نامہ سے مبرہن ہے جو دار الافتاء اشرفیہ کو پیش کیا گیا اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہاں شبہ فی التکلم نہیں ہے...... خطیب اگر اس کلام سے رجوع کر لیے ہوتے یا اگر انہوں نے کبھی توبہ کی ہوتی تو اس کا ذکر وہ اپنے سوال میں ضرور کرتے ......اور جب اس کا ذکر سوال نامہ میں نہیں ہے تو ظاہر ہوا کہ یہاں شبہ فی المتکلم بھی نہیں ہے...... یہ ساری تصویر اشرفیہ کے مفتی کے سامنے نمایاں تھی اس کے باوجود وہاں کے مفتی کا الٹے پاؤں چلنا ہر ایک اہلِ علم کی سمجھ سے باہر ہے......

مولانا نے جس قدر مقدمات کا ذکر کیا ہے یہ ان کے سمجھنے کی بات ہے ناگپور کے سیمینار میں شریک علماء کے سمجھنے کی بات نہیں ہے کہ انہوں نے جو کیا صحیح کیا اور ایسا ہی کرنا چاہیے تھا...... ہاں مولانا اور ان کے گروپ کے علماء اس معاملہ میں راہ سے بے راہ ہو چکے ہیں ...... یہی حال مولانا کے تمام مقدموں کا ہے اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ان کی کتاب کا کیا حال ہوگا...... ؟ کہ مقدمہ یوں ہی نہیں لکھا جاتا ہے بلکہ بڑی ہی چھانٹ پھٹک کے بعد ہی لکھا جاتا ہے اور اس میں دور اندیشی سے کام لیا جاتا ہے۔ راہ چلتے کوئی مقدمہ نہیں لکھتا ہے...... ہاں اگر مولانا لکھ دیں تو یہ ان سے بعید بھی نہیں کہ مولانا افقہ الفقہاء...... اعلم العلماء اور بارگاہِ شریفیہ کے فیض یافتہ جو ہیں......

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

باب نہم

آمدم برسرِ مطلب

مولانا عبدالحق صاحب نے مقدمات کے ذکر کے بعد ''آمدم برسرِ مطلب'' کا عنوان باندھا ہے اس عنوان کے تحت مولانا نے سب سے پہلے ''خطیب مذکور'' کی تقریر نقل کی ہے اس کے بعد ناگپور کے فتویٰ کو پیش کیا ہے...... اس کے بعد بہرائچ کے ایک فتویٰ کا ذکر کیا ہے پھر میرے مقالہ کی چند عبارتیں پیش کی ہیں اور سب سے بعد میں مولانا غلام مصطفٰے نعیمی کے مقالہ کے چند اقتباسات لیے ہیں...... خیر یہ تو بہت ہی اچھا ہوا کہ مولانا نے میرے اور مولانا نعیمی کے مقالوں کو لائق اعتنا ہی نہیں سمجھا شاید اس لیے کہ مولانا آسمانی ٹھہرے اور ہم دونوں زمینی...... کہاں مولانا اور کہاں ہم......، چہ نسبت خاک را با عالم پاک...... انہوں نے اپنا سارا زور بہرائچ کے فتویٰ پر دیا اور پھر تنقیح طلب امور کے تحت چند سوالات کر بیٹھے اور خود ہی ان کے جوابات بھی لکھ دیئے حالانکہ ہونا یہ چاہیے تھا کہ یہ سوالانات بہرائچ کے مفتی صاحب سے کیے جاتے۔ ان کے جوابات کے آنے کے بعد ہی مولانا اپنی رائے کا اظہار کرتے......شاید مولانا نے یہ سوچا ہو کہ ان کا جواب بہر حال ایسا جواب ہوگا کہ پھر ان کے جواب کا کوئی جواب نہ ہوگا...... خیر انہوں نے یہ اچھا کیا کہ سہولت کی راہ اختیار کی اور دشوار گزار وادیوں سے نہ گزرنے ہی میں اپنی نجات تصور کی...... چلیے جب نہ سہی تو اب اس کا جواب بھی ہاتھوں ہاتھ لیتے جایئے۔

سوال نمبر (۱)......مشرکین کے دیوی دیوتاؤں کی تعریف جس طرح اور جس بارے میں بھی ہو بہر حال کفر ہے اور قائل مرتد خارج از اسلام ہے یا نہیں سوائے اس کے کہ صورت جبر و اکراہ میں اس نے کوئی تعریف کی ہو یا کفار کے دیوی دیوتاؤں کی تعریف جب ان کی الٰہیت و معبودیت کی وجہ سے یا کسی کفری جہت سے ہو تبھی کفر ہوتا ہے؟

یہ سوال خود ان کا مرتب کردہ سوال ہے اور اس کا جواب بھی مولانا کا لکھا ہوا ہے نے جو درج ذیل ہے

جواب نمبر (۱) منجانب مولانا عبد الحق صاحب......کفار اور مشرکین کی دیوی اور دیوتا کی تعریف اگر ان کے ذاتی اوصاف و کمالات کی بنا پر ہو تو کفر نہیں، البتہ اگر الٰہیت و معبودیت کے تصور کے ساتھ ہو یا کفار کے کفریات یا محرمات قطعیہ کو اچھا جانتا ہو تو ضرور کفر ہوگا......

کتب فقہ میں ہمارے فقہائے کرام عام طور سے اس مقام پر مختلف عبارات استعمال فرماتے ہیں......کبھی فرماتے ہیں: من استحسن فعلاً من افعال الکفار کفر باتفاق المشائخ ......کبھی لکھتے ہیں یکفر بتبجیل الکافر حتی لو سلم علی الذمی تبجیلا کفر ولو قال لمجوسی یا استاذی تبجیلا کفر کہیں فرماتے ہیں من تشبہ بقوم فھو منھم مذکورہ بالا ارشادات فقہاء میں اگر گہری نظر ڈالی جائے تو ان کی توضیحات کی صداقت و حقانیت مہر نیم روز کی طرح آشکارا ہو جائے گی نیز عیاں ہو جائے گا کہ ان عبارات کا مفہوم یہی ہے فقہائے کرام نے اس قسم کے مواقع پر جو قیدیں لگائی ہیں پہلے انہیں نقل کرتا ہوں، تاکہ ہمارے ناظرین کرام خود اچھی طرح غور وفکر فرمالیں تاکہ مسئلہ دائرہ کی حقیقت کی تہ تک رسائی ممکن ہو۔

الاشباہ والنظائر میں ہے:

تبجیل الکافر کفر فلو سلم علی الذمی کفر۔

اس کے تحت علامہ حموی رحمۃ اللہ علیہ غمز عیون البصائر میں فرماتے ہیں:

قال بعض الفضلاء: یجب تقییدہ بان یکون تعظیما لکفرھو الا

فقد یکون لاحسانہ للمسلمین او للمعظم۔

کافر کی تعظیم وتوقیر کفر اس وقت ہوگی جب اس کافر کے کفر کی وجہ سے ہو ورنہ کافر کی تعظیم کبھی اس وجہ سے ہوتی ہے کہ اس نے تعظیم کرنے والے پر کوئی احسان کیا ہے یا وہ مسلمانوں کے ساتھ حسن سلوک اور بھلائی سے پیش آتا ہے......اس کے فوراً بعد علامہ حموی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فتاویٰ شیخ الاسلام ابوالحسن سغدی علیہ الرحمہ کے حوالہ سے رقم طراز ہیں:

حکی ان واحدا من المجوس کان کثیر المال ،حسن التعھد لفقراء المسلمین یطعم جائعھم ویکسی عریانھم وینفق مساجدھم، ویعطی ادھان سرجھا ویقرض محاویج المسلمین فدعا الناس مرۃ الی دعوۃ اتخذھا لجز ناصیۃ ولدہ فشھدھا کثیر من اھل الاسلام واھدی الیہ بعضھم ھدایا ،فاشتد ذالک علی مفتیھم فکتب الی استاذہ شیخ الاسلام ان ادرک اھل بلدك ،فقد ارتدوا باسرھم ،فذکر شیخ الاسلام ان اجابۃ دعوۃ اھل الذمۃ مطلقۃ فی الشریعۃ ومجازاۃ المحسن باحسانہ من باب الکرم والمروۃ وحلق الراس لیس من شعار الضلال والحکم بردۃ الاسلام بھذ القدر غیر ممکن کذا فی الفتاوی ائظھیریۃ من النوع السادس من کتاب السیر...

(غمز عیون البصائر ج ۲ ص ۷۷)

بیان کیا گیا ہے کہ ایک بہت مالدار مجوسی غریب مسلمانوں کے ساتھ عمدہ سلوک کیا کرتا تھا، بھوکے مسلمانوں کو کھانا کھلاتا ،ننگوں کو کپڑے پہناتا، مساجد پر خرچ کرتا اس کے چراغوں کے لیے تیل دیتا، اور حاجر مند مسلمانوں کو قرض بھی دیتا تھا اس نے اپنے بچے کے بال منڈانے کے وقت مسلمانوں کی دعوت کی۔ تو کثیر تعداد میں اہل اسلام نے شرکت کی اور بعضوں نے ہدایا اور تحائف بھی پیش کیے......

یہ بات اس شہر کے مفتی پر شاق گزری۔ انہوں نے اپنے استاذ شیخ الاسلام کو لکھا کہ

آپ اپنے شہر والوں کی خبر گیری اور دستگیری فرمائیں سب کے سب مرتد ہو گئے تو اس کے جواب میں شیخ الاسلام نے فرمایا۔ کہ شریعت میں ذمیوں کی دعوت قبول کرنے کی اجازت ہے اور محسن کے احسان کا بدلہ دینا کرم اور مروت کے باب سے ہے اور ماڈرن اہلِ ضلال کے شعارِ دینی و مذہبی سے نہیں اور محض اس بنیاد پر مسلمانوں کو مرتد قرار دینا ہرگز ممکن نہیں......

معلوم ہوا کہ سابقہ زمانے ایسے مفتیوں سے خالی نہیں تھے جو کفر و ایمان تو کفر و ایمان ،حلال و حرام میں بھی تمیز کی صلاحیت نہیں رکھتے تھے۔ اور ایک جائز امر پر مسلمانوں کی ایک عظیم جماعت کے ارتداد کا فتویٰ دے دیا کرتے تھے...... تاہم معلوم ہوتا ہے کہ مفتی کی نظر مجوس سے نفرت و عداوت پر مرکوز تھی۔ شہر کے اہلِ اسلام سے عداوت نہ تھی اسی لیے ان کی دست گیری اور ہدایت کے لیے شیخ الاسلام سے التجا کی۔ مگر اب ایسا لگتا ہے کہ کفر و کفار سے عداوت تو الگ رہی خود مسلم سے عداوت اور اس کی تکفیر کا جوش آتش فشاں بنتا جا رہا ہے۔

لیکن ان شاء اللہ کوئی زمانہ ان بندگانِ خدا سے خالی نہ ہوگا جو مشکل کی تسہیل، صعب کی تذلیل، مجمل کی تفسیر کرنے اور بحر سے صدف، صدف سے گہر نکالنے پر باذن اللہ قادر نہ ہوں۔

شرح کی پوری عبارت کا خلاصہ یہ ہوا کہ کافر کی تعظیم و توقیر اگر اس کے کفر کی وجہ سے ہو تو کفر ہے اور اگر کفر کے علاوہ اس کے ذاتی اوصاف و کمالات، جود و سخا، انسانی ہمدردی اور غرباء و مساکین کی اِمداد و اعانت، ظلم و ناانصافی کے خلاف جنگ کی وجہ سے ہو تو وہ جائز و مباح ہے اور اس کے ساتھ حسنِ سلوک مروت اور کرم کے باب سے ہے، لھٰذا مطلقاً کفار کی تعظیم کو کفر کہنا درست نہیں...... الاشباہ والنظائر میں ارشاد فرمایا

الاستهزاء بالعلم والعلماء كفر اس کے چند سطر کے بعد لکھا: الاستهزاء بالاذان كفر لا بالمؤذن اس متن کی شرح میں علامہ حموی رقم طراز ہیں:

قوله الاستهزاء بالعلم والعلماء كفر ......لما تقرر من ان تعليق الحكم بالمشتق يؤذن بعليه مبدأ الاشتقاق قال فى البزازيه

الاستخفاف بالعلماء کفر لکونه استخفافا بالعلم والعلم صفة الله تعالیٰ منحه فضلا خیار عبادہ لیدلوا خلقه علی شرعه نیابة عن رسوله فاستخفافه بھذا لعلم الیٰ من یعود ...قال بعض الفضلاء :فیفید ان الاستخفاف بالعلماء لا لکونه علماء بل لکونھم ارتکبوا ما لا یجوز او من حیث الآدمیة لیس بکفر، وھو یفید ایضا انه لو استخف بالمؤذن من حیث الاذان یکفر انتھیٰ۔ (غمز عیون البصائر ج ۲ ص ۸۷)

علم اور علماء کے ساتھ استہزا کفر ہے اس وجہ سے کہ مشتق پر حکم کسی حکم کا معلق کیا جانا مبدأ اشتقاق کی علیت کی خبر دیتا ہے۔ بزازیہ میں فرمایا علماء کی توہین علم کی توہین کی وجہ سے کفر ہے اس لیے کہ علم اللہ عزوجل کی صفت ہے۔ اللہ عزوجل اپنے فضل سے اپنے نیک بندوں کو عطا فرماتا ہے تاکہ وہ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی نیابت کرتے ہوئے خلقِ خدا کی شریعت میں رہنمائی کریں تو اس علم کی توہین ذات باری تعالیٰ کی طرف پلٹتی ہے۔

بعض فضلاء نے ارشاد فرمایا مذکورہ بالا کلام اس بات کا افادہ کررہا ہے کہ اگر عالم کی توہین اگر عالم ہونے کی حیثیت سے نہ ہو بلکہ اس عالم کے برے اعمال واقوال کے ارتکاب کی وجہ سے ہو تو ہرگز اس کی توہین کفر نہ ہوگی۔ اور اس کا بھی افادہ کررہا ہے کہ اگر مؤذن کی توہین اذان کی وجہ سے ہو تو کفر ہے اور اگر دوسری حیثیت سے ہو تو کفر نہ ہوگی۔

ان عبارات اور علماء کی توضیحات سے خواص تو خواص عوام پر بھی عیاں ہو چکا ہوگا کہ کافر کی تعظیم اگر کفر کی وجہ ہو تو کفر ہوگا اور اگر دیگر اسباب کی وجہ سے ہو تو ہرگز کفر نہ ہوگا۔ جیسے عالم اور مؤذن کے ساتھ استہزا اگر علم اور اذان کی وجہ سے ہو تو کفر ہے، ورنہ نہیں۔ (تکفیر مسلم پر تحقیقی نظر ص ۲۴/ ۲۶/ ۲۷/ ۲۸/ ۲۹/ ۳۰)

تنقیح طلب اُمور اور جواب پر تنقیدی نظر

یہاں قارئین کی معلومات کے لیے راقم الحروف اتنا بتادینا ضروری سمجھتا ہے کہ مولانا عبدالحق خاں صاحب رضوی نے ”تنقیح طلب اُمور“ سے صرف ایک ”امر“ کا جواب تقریباً

سات صفحات پر تحریر کیا ہے۔ میرا ارادہ تو یہی تھا کہ میں مولانا کا مکمل جواب ہو بہو نقل کردوں ......لیکن میں جیسے جیسے آگے قدم بڑھاتا رہا ویسے ویسے مولانا کی علمی ،فکری اور شعوری شخصیت کھو کھلی دکھائی دینے لگی۔ مولانا کی اس لمبی چوڑی عبارت سے عوام کو یہی تاثر ملے گا کہ واقعی مولانا عجیب وغریب لوگوں میں سے ہیں، جن کی شان یہ ہے کہ

یہ حقیقت ہے کہ زمانہ ان بندگانِ خدا سے کبھی خالی نہ ہوگا جو مشکل کی تسہیل، صعب کی تذلیل، مجمل کی تفسیر کرنے اور بحر سے صدف ،صدف سے گہر نکالنے پر باذن اللہ قادر ہوں۔ اور اہلِ علم جانتے ہیں کہ مولانا کیا ہیں اور ان کا مبلغ علم کیا ہے۔ جب تک قلم ان کے ہاتھوں میں نہیں تھا اس وقت تک ان کی شخصیت، علمی فکری اور ادبی صلاحیت جسم ولباس کی بوتل میں بند رہی اور جب قلم ان کے ہاتھوں میں آیا تو ان کی ساری قلعی کھل گئی۔ ایک بڑے اِدارے میں ہونے کی وجہ سے میرا گمان تھا کہ مولانا میں کچھ نہ کچھ خوبی ضرور ہوگی، لیکن ان کی قلمی کوشش کے مطالعہ کے بعد میرے گمان کو شدید چوٹ لگی۔ کہنے والے نے سچ کہا ہے کابل میں صرف گھوڑے ہی نہیں ہوتے ....مولانا نے فقہ کی مختلف کتابوں مثلاً البحر الرئق ،الاشباہ والنظائر جلد دوم ،فتاویٰ رضویہ اور بزازیہ وغیرہ۔ خیر مولانا اس بات پر تو یقیناً مبارک باد کے مستحق ہیں کہ انہوں نے میری مشکلات کو آسان کردیا......اس کے باوجود میں اس حقیقت کو منکشف کیے بغیر نہیں رہ سکتا کہ انہوں نے عبارتیں تو نقل کردیں مگر استفادہ کا حق ادا نہ کرسکے......یہ تو ایسا ہی ہوا جیسے کسی دور اندیش اور حقیقت بیں نگاہ نے ایک تیلن کی باٹ دیکھ کر کہا تھا...... پڑھے فارسی بیچے تیل، یہ دیکھو قدرت کا کھیل......جب میں نے تنقیح طلب اُمور اور اس کے تفصیلی جواب کا جائزہ لیا اور اس تحقیق پر نظر ڈالی تو محسوس ہوا ہے کہ مولانا اپنے فکری اور شعوری توازن کو برقرار نہ رکھ سکے......اب آیئے ذرا تفصیل سے اس پر بحث کرتے ہیں..........

اولاً......مولانا کی جوابی تحریر میں یہ محسوس ہوا کہ مولانا جیسے جیسے قلمی سفر میں آگے بڑھتے ہیں ویسے ویسے ان کا علمی گراف گرتا ہوا دکھائی پڑتا ہے...... بات کی شروعات ہوئی

تھی دیوی اور دیوتا سے اور استدلال میں مولانا کہیں کافر کو پیش کرتے ہیں اور کہیں عالم اور مؤذن کو......اس کے باوجود انھیں اپنی ناکامی کا احساس نہیں ہوا۔اپنی بے علمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اور آگے بڑھے تو انہوں نے ایک مجوسی کی دعوت کا ذکر کر دیا......نوروز کا بھی سہارا لیا اور پھر میلوں اور ٹھیلوں پر آ گئے...... چلے کہیں سے، گرے کہیں آ کر......یہ ہے مولانا کی علمی اور فکری شخصیت......

ثانیاً......کافر ہو یا مجوسی اور ذمی......عالم ہو یا مؤذن......مجوسی کی دعوت ہو یا نوروز کا میلا......ہولی ہو یا دیوالی......ان میں سے کوئی بھی چیز استدلال کے زمرے میں نہیں آسکتی کہ وہ دیوی اور دیوتا جس سے "تنقیح طلب امور" متعلق ہیں۔جب مسمیات میں اس قدر بون ہے تو ظاہر ہے ان مسمیات کے متعلقات میں بھی اختلاف شدید ہوگا تو پھر ان مسمیات کے متعلقات پر استدلال کس طرح روا ہوگا ؟ کہ استدلال کے لیے اتحاد بوجہ ما ضروری ہے جو یہاں مفقود ہے

ثالثاً......استدلال میں کبھی اثر کو دیکھ کر مؤثر کا پتہ لگایا جاتا ہے اور کبھی مؤثر کے ذریعہ اثر کو ثابت کیا جاتا ہے اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک اثر سے دوسرے اثر کو ثابت کیا جاتا ہے جیسا کہ علامہ شریف جرجانی فرماتے ہیں ۸۷ استدلال... تقرير الدليل لاثبات المدلول سواء كان ذالك من الاثر الى المؤثر فيسمى استدلا لياً انياً او بالعكس ويسمى استدلالياً لمياً اومن احد الاثرين الى الآخر (التعریفات پی ڈی ایف فائل عبارت نمبر ۸۷) بتایا جائے ان میں کون کس کا اثر ہے اور کس اثر کا مؤثر کون ہے یا پھر ایک مؤثر کے دو اثرات ہیں یہ وضاحت مولانا کے ذمہ ہے......

رابعاً......کفار اور مشرکین کے دیوی، دیوتا کی تعریف اگر ان کے ذاتی اوصاف وکمالات کی بنا پر ہو تو کفر نہیں، البتہ اگر الٰہیت و معبودیت کے تصور کے ساتھ ہو یا کفریات کے کفریات یا محرمات قطعیہ کو اچھا جانتا ہو تو ضرور کفر ہوگا ورنہ ہرگز کفر نہ ہوگا ۔یہ شقیں جو

تحریر کی ہیں کیا اس قسم کی شقیں اکابر کی کسی کتاب میں ایسے مقام پر استعمال ہوئی ہیں؟ اگر ہوئی ہیں تو بتایئے وہ کون سی کتاب ہے؟ اور اگر نہیں ہوئی ہیں تو یہ شقیں آپ نے کہاں سے نکالی ہیں اور ان شقوں کو نکالنے کا محرک کیا ہے؟ میرے خیال میں اس قسم کی شقوں کا کوئی ثبوت اکابر کی کتابوں میں نہیں پایا جاتا ہے...... یہ صرف مولانا کے دماغ کی اُپج ہے اس کے سوا کچھ اور نہیں ہے۔ اس پر سنجیدگی سے غور کریں اور سمجھنے کی کوشش کریں۔ ایمان ویقین کے بڑھتے ہوئے اُجالوں کی راہ میں دیوار بن کر حائل ہونے کی کوشش نہ کریں کہ اسی میں خطیب صاحب کی بھلائی ہے اور آپ کی بھی اسی میں بھلائی ہے اور پوری جماعت اہلسنّت کا بھی اسی میں فائدہ ہے۔

خامساً...... ''کفار و مشرکین کے دیوی، دیوتا کے تعلق سے'' ذاتی اوصاف و کمالات اور الٰہیت و معبودیت کی بات کہی ہے تو پھر بتایا جائے دونوں میں کون سی نسبت ہے؟ تساوی یا تضاد...... عام خاص مطلق یا پھر عام خاص من وجہٍ ہے۔

سادساً...... نسبت کوئی بھی ہو...... اگر کوئی انسان دیوی، دیوتا کے ذاتی اوصاف و کمالات کے ذریعہ الٰہیت و معبودیت تک پہنچنا چاہے تو پہنچ سکتا ہے یا نہیں یا اس کے برعکس صورت میں الٰہیت و معبودیت کے سہارے اس کے ذاتی اوصاف تک رسائی حاصل کرنے کی کوئی صورت ہے؟ اگر ایسا کچھ امکان ہے تو بتایئے اس راستہ پر چلنا کہاں تک درست ہے جو کسی کو بھی معبودیت تک پہنچا دیتی ہے؟ اور اگر ممکن نہیں ہے تو اسے امکان میں بدلنے کے لیے راہیں کیوں ہموار کی جا رہی ہے؟...... لہٰذا کسی دیوی دیوتا کی تعریف خواہ ذاتی اوصاف ہی سے کیوں نہ متعلق ہو یہ بھی کفر ہے کہ یہ اوصاف متکلم اور سامع دونوں کے ذہنوں میں اس کی معبودیت کے تصور کو جنم دے رہے ہیں مگر اس بات کو ضرور یاد رکھیں کہ یہاں عام انسانوں کے ذاتی اوصاف و کمالات کی بات نہیں چل رہی ہے بلکہ کسی دیوی اور دیوتا کے ذاتی اوصاف کی بات ہو رہی ہے......

سابعاً...... آپ نے جن ذاتی اوصاف و کمالات کی بات کہی ہے ان کی حیثیت کیا

ہے؟ من حیث ھی ھی یا پھر من حیث التقیید ...... من حیث ھی ھی تو نہیں ہو سکتے کہ اس قسم کی صفتوں کو کوئی بیان نہیں کر سکتا ہے کہ ان میں شدید قسم کا ابہام پایا جاتا ہے جس طرح سے لاشعوری صفتوں میں پایا جاتا ہے جو صرف خواب میں نمود پاتی ہیں ان میں شعور یا وجود و تلفظ میں آنے کی صلاحیت ہی نہیں رکھتے چہ جائیکہ ایک خطیب بیان کرے اور ایک مانا ہو مقرر انہیں تلفظ کی لڑیوں میں پروئے ...... جہاں تک تقییدی صفت کی بات ہے تو ظاہر ہے کہ اس کے بیان کرتے وقت دیوی اور دیوتا کا ہی تصور ذہن میں رہے گا اس لیے فکری اعتبار سے متعین ہو گیا کہ مولانا نے رام کی تعریف میں اگرچہ اس کے ذاتی اوصاف کو بیان کیا ہے مگر ان کے ذہن میں رام کا تصور ہو گا ہی اور رام نام ہے کسی کے معبود اور الٰہ کا، اس کے سوا اس کا کوئی تصور نہیں ہے۔ تو بقول آپ کے رام کی تعریف کفر ہے اور ان صفتوں کو بیان کرنے والا کافر ہو گیا......

ثامناً ...... یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ لفظوں کا مزاج بڑا نازک ہوا کرتا ہے اور ہر قسم کے نشیب و فراز سے متاثر ہونے میں انہیں کوئی دیر نہیں لگتی ہے اسی لیے لفظوں میں کہیں شدت پائی جاتی ہے اور کہیں نرمی اور ملائمیت پائی جاتی ہے ...... کبھی الفاظ جمالیات کی ترجمانی کرتے ہیں اور کبھی بغض و عناد اور نفرت و کدورت کی نمائندگی کرتے ہیں ...... اس بنیاد پر کہا جا سکتا ہے کہ جس مجلس میں خطاب کیا جاتا ہے اس مجلس کی فضا لفظوں اور جملوں سے متاثر ہوتی ہے، اسے کم فہم افراد بھی بآسانی سمجھ لیتے ہیں ...... یہ متنازع تقریر ''رام کتھا'' کی مجلس میں کی گئی ...... یہ مجلس مذہبی مجلس تھی اور پوری مجلس میں رام کے الٰہ اور معبود ہونے کی فضا پائی جاتی تھی لہٰذا اس مجلس میں رام کے تعلق سے جو باتیں کہی گئی ہیں وہ ساری باتیں تصور الٰہیت و معبودیت سے خالی نہیں ......

تاسعاً ...... آپ کی مذکورہ شقوں کے سبب رام کے تعلق سے دو قسم کے تصورات ابھر کر سامنے آتے ہیں:

الف ...... ذاتی اوصاف و کمالات

ب......الٰہیت اور معبودیت

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ رام کے تعلق سے جہاں جہاں باتیں ہوتی ہیں یا جس مقام اور جس مجلس میں سنی جاتی ہیں......ان میں سے کتنوں کا ذہنی تبادر ذاتی اوصاف کی طرف جاتا ہے اور کتنوں کا الٰہیت و معبودیت کی جانب؟ اس بارے میں ان ذہنوں کو بھی ٹٹولا جائے جو ان کے پیروکار ہیں اور ان افراد کی جانب بھی توجہ مبذول کی جائے جو اوروں کے پیروکار ہیں......میں سمجھتا ہوں جیسے ہی لفظ ''رام'' کا اطلاق ہوتا ہے ویسے ہی فوری طور پر ہر ایک کا ذہن اس رام کی طرف جاتا ہے جو کافروں کا معبود ہے اور خود کافروں کا ذہن بھی اسی تصور کی جانب جاتا ہے ایسی صورت میں رام کے اوصاف میں سے جس وصف کا بھی بیان کیا جائے گا وہ تصور معبود ہی کے ساتھ ہوگا اس سے الگ ہو کر کوئی بھی تصور نہیں ہوسکتا ہے اس کی دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ رام کی شہرت ہی معبود کی حیثیت سے ہے اس لیے تصور معبود نا گزیر ہے اور تیسرا سبب یہ ہے کہ ذاتی اوصاف و کمالات کا تصور اس وقت ہوتا ہے جب صاحب کمالات کا وجود زمینی حقیقت سے تعلق رکھتا ہو۔ حالانکہ رام کے وجود کے بارے میں محققین کا فیصلہ یہ ہے کہ اس کا وجود فرضی ہے اور اس کا چوتھا سبب یہ ہے کہ رام کے تعلق سے تصور معبود ان کے تمام اوصاف و کمالات میں ''جامع اور مجاز متعارف'' ہے اس بنیاد پر رام کے بارے میں جو کچھ بھی کہا جائے گا پہلے ذہن میں معبود کا تصور آئے گا اس کے بعد ہی کسی اور وصف کا تصور ہوسکتا ہے......بہر حال ثابت ہوا کہ رام کے تعلق سے جو باتیں عرض کی گئیں یا آئندہ کی جائیں گی تصور معبود سے خالی نہیں......اس قسم کے تذکرہ کا حکم آپ کو معلوم ہے کہ کفر ہے......اور قائل کافر ہے

☆☆☆☆

باب دہم

وجوہ استدلال پر ایک نظر

پہلی دلیل

مولانا عبدالحق خاں صاحب نے سب سے پہلے یہ دلیل پیش کی کہ

من استحسن فعلا من افعال الکفار کفر باتفاق المشائخ یعنی جس نے کفار کے افعال میں سے کسی فعل کو اچھا سمجھا مشائخ کے اتفاق سے وہ کافر ہو گیا۔

رام کافر ہی نہیں مہا کافر تھا اور خطیب موصوف نے اپنے خطاب میں اس کے جن اوصاف کا ذکر کیا وہ سب کے سب اس کے افعال تھے اس میں کسی کو کوئی تردد نہیں ہو سکتا ہے اور ان اوصاف کا تذکرہ بھی مقام مدح میں تھا مقام ذم میں نہیں، اس بنیاد پر میں کیا کوئی بھی کہہ سکتا ہے کہ خطیب صاحب نے رام کے افعال کو اچھا اور مستحسن تصور کیا لہٰذا وہ کافر ہو گیا

دوسری دلیل

یکفر بتبجیل الکافر حتی لو سلم علی الذمی تبجیلاً کفر ولو قال لمجوسی یا استاذی تبجیلا کفر یعنی کافر کی تعظیم سے کافر ہو جاتا ہے یہاں تک کہ اگر کسی نے ذمی کو سلام کیا تو وہ کافر ہو گیا اور اگر کسی مجوسی سے کہا یا استاذی از روئے تعظیم تو وہ کافر ہو گیا...... یہ دوسری دلیل آپ کے سامنے ہے اس پر غور کریں اور خطیب موصوف کی تقریر کے ایک ایک جملہ پر گہری نظر ڈالیں کیا اس میں رام کی عزت نہیں پائی جاتی

ہے......

قارئین! یہ دونوں دلیلیں میں نے نہیں بلکہ مولانا نے اپنے ممدوح کی تائید میں پیش کی ہیں مگر شکر ہے پروردگار عالم کا کہ یہ دونوں دلیلیں بجائے ان کے موقف کی تائید کرنے کے میرے موقف کی تائید کر رہی ہیں ......ان دونوں دلیلوں کے تعلق سے جو قیود لگائی گئی ہیں ان پر بھی گہری نظر ڈالتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ یہ قیود کس حد تک کس کی مدد کرتے ہیں وہ پوری عبارت ملاحظہ ہو۔

اس کے تحت علامہ حموی رحمۃ اللہ علیہ غمز عیون البصائر میں فرماتے ہیں:

قال بعض الفضلاء: يجب تقييده بان يكون تعظيما لكفر هو الا فقد يكون لاحسانه للمسلمين او للمعظم۔

کافر کی تعظیم وتوقیر کفر اس وقت ہوگی جب اس کافر کے کفر کی وجہ سے ہو ورنہ کافر کی تعظیم کبھی اس وجہ سے ہوتی ہے کہ اس نے تعظیم کرنے والے پر کوئی احسان کیا ہے یا وہ مسلمانوں کے ساتھ حسن سلوک اور بھلائی سے پیش آتا ہے......اس کے فوراً بعد علامہ حموی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فتاویٰ شیخ الاسلام ابوالحسن سغدی علیہ الرحمہ کے حوالہ سے رقم طراز ہیں:

حكى ان واحدا من المجوس كان كثير المال ،حسن التعهد لفقراء المسلمين يطعم جائعهم ويكسى عريانهم وينفق مساجدهم، ويعطى ادهان سرجها ويقرض محاويج المسلمين فدعا الناس مرة الى دعوة اتخذها لجز ناصية ولده فشهدها كثير من اهل الاسلام واهدى اليه بعضهم هدايا ،فاشتد ذالك على مفتيهم فكتب الى استاذه شيخ الاسلام ان ادرك اهل بلدك ،فقد ارتدوا باسرهم ،فذكر شيخ الاسلام ان اجابة دعوة اهل الذمة مطلقة فى الشريعة ومجازاة المحسن باحسانه من باب الكرم والمروة وحلق الراس ليس من شعار الضلال والحكم بردة الاسلام بهذ القدر غير ممكن كذا فى

الفتاویٰ ائظهیرية من النوع السادس من کتاب السیر ...
(غمز عیون البصائر ج ۲ ص ۷۷)

بیان کیا گیا ہے کہ ایک بہت مالدار مجوسی غریب مسلمانوں کے ساتھ عمدہ سلوک کیا کرتا تھا، بھوکے مسلمانوں کو کھانا کھلاتا، ننگوں کو کپڑے پہناتا، مساجد پر خرچ کرتا اس کے چراغوں کے لیے تیل دیتا، اور حاجرمند مسلمانوں کو قرض بھی دیتا تھا اس نے اپنے بچے کے بال منڈانے کے وقت مسلمانوں کی دعوت کی۔ تو کثیر تعداد میں اہل اسلام نے شرکت کی اور بعضوں نے ہدایا اور تحائف بھی پیش کیے......

یہ بات اس شہر کے مفتی پر شاق گزری۔ انھوں نے اپنے استاذ شیخ الاسلام کو لکھا کہ آپ اپنے شہر والوں کی خبر گیری اور دستگیری فرمائیں سب کے سب مرتد ہو گئے تو اس کے جواب میں شیخ الاسلام نے فرمایا۔ کہ شریعت میں ذمیوں کی دعوت قبول کرنے کی اجازت ہے اور محسن کے احسان کا بدلہ دینا کرم اور مروت کے باب سے ہے اور موڑن اہل ضلال کے شعار دینی و مذہبی سے نہیں اور محض اس بنیاد پر مسلمانوں کو مرتد قرار دینا ہرگز ممکن نہیں......

ہاں! میں کہتا ہوں کسی کافر کی تعظیم اس وقت کفر ہو گی جب یہ تعظیم اس کے کفر کی وجہ سے ہو ورنہ کسی کافر کی تعظیم اس وجہ سے بھی ہوتی ہے کہ اس نے مسلمانوں پر احسان کیا ہے اور اس وجہ سے بھی کی جاتی ہے کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آتا ہے...... مگر مسئلہ دائرہ میں دور دور تک یہ صورت نہیں کہ یہ رام کتھا کی مجلس تھی رام کا مقرر پر کیا احسان تھا کہ انہوں نے رام کی تعریف میں ساری حدوں سے پار نکل گئے، پھر رام نے کس مسلمان کے ساتھ حسنِ سلوک کیا ہے کہ خطیب صاحب رام کو ''امام ہند'' کہہ گئے...... جب یہ دونوں صورتیں مفقود، تو پہلی صورت متعین ہو گئی کہ یہ مدحیہ کلمات رام کے معبود ہونے کی حیثیت سے کہی گئی۔ اس کے علاوہ کوئی اور صورت نظر نہیں آتی ہے .... ہاں اگر یہی بات ''مراری باپو'' کے لیے کہی جاتی تو بات بن جاتی...... یہ ہے مولانا کا مبلغ علم کہ اس مقام پر جس عبارت کو پیش کرنے کی ضرورت تھی وہ پیش نہ کر سکے اور بے ضرورت عبارت پیش کر دی۔

اور یہی کچھ حال مجوسی کی دعوت والے واقعہ کا ہے......جن مفتیانِ عظام نے گرفت کی، انہوں نے کچھ برا نہ کیا اور نہ انہیں کسی سے دشمنی تھی۔ میں مانتا ہوں کہ مقرر صاحب کو شہرت کے آسماں پر بیٹھانے والے بھی یہی مفتیانِ عظام ہیں۔ ہم ان کے ساتھ تھے تو ان کا وقار تھا اور جب تک ساتھ رہیں گے ان کا وقار برقرار رہے گا کہ جماعت کی طاقت بہر حال طاقت ہوتی ہے اور جماعت سے نکلنے کے بعد جو حالت ہوا کرتی ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں ہے......اور جو حمایت کرنے کے نام پر تال ٹھونک کر میدان میں اُترے ہیں اصل میں وہی دشمن ہیں جو دوست کے بھیس میں ہیں۔ جو اپنے استاذ کے شہزادہ کا نہ ہوا وہ کب کسی کا ہوسکتا ہے؟ یہ وہ خطرناک جرثومہ ہے جو سبز و شاداب گلستاں کو کیا سے کیا کر سکتا ہے؟ خدائے پاک نے جب حسن دیا ہے تو اس کی حفاظت کرنا بھی سیکھیئے کہ اسلام نے حفاظت کے طور طریقوں کو بھی بتایا ہے۔ ان طریقوں کو اپنانے کی کوشش کی جائے ـــــ تا کہ حسن خداداد کی حفاظت ہو سکے......

علم، علماء اور مؤذن کے تعلق سے استہزاء

ہاں علم، علماء اور مؤذن کی توہین کفر ہے۔ مگر یہ توہین اس وقت موجب کفر ہوتی ہے جب کسی عالم کی توہین اس کے عالم ہونے کی حیثیت سے کی جائے اسی طرح کسی مؤذن کی توہین اس وقت باعث کفر ہوتی ہے جب اذان کے باعث کی جائے اور اگر کسی اور معاملات کے باعث توہین کی جاتی ہے تو یہ باعث کفر نہیں مگر یہ بات بھی ذہن میں رہنی چاہیے کہ یہ شق وہاں نکالی جاتی ہے جہاں اس کی گنجائش ہو اور جہاں اس کی گنجائش نہ ہو وہاں اس طرح کی شق نکالنا سعیٔ لا حاصل ہے......اس سے اس بات کا بھی استفادہ ہوتا ہے کہ شق وہیں نکالی جاسکتی ہے جہاں توہین سے بچنے کا کوئی پہلو نکل سکے جبھی تو وہ کفر سے بچ سکتا ہے ورنہ کفر سے بچنے کے لیے کوئی صورت نہیں......ہندوؤں کے عقیدہ کے مطابق رام کی شخصیت میں وہ کون سا پہلو ہے جو تعریف کا مصداق بن سکتا ہے جب کہ کتب معتبرہ واقوالِ علما و مشائخ سے ثابت ہے کہ رام کا وجود ہی فرضی ہے تو اس کے تعلق سے جو کلمات مدحیہ یا استہزائیہ بولے جائیں

گے سب کے سب فرضی ہوں گے۔ مگر خطیب مذکور نے اس کے فرضی ہونے کا انکار کر دیا جیسا کہ خطیب صاحب نے شروع میں فرمایا

میں AS مسلمان کہہ رہا ہوں

اس کا مطلب یہ ہوا کہ میں نے اپنی تقریر میں جو کچھ بھی بیان کیا وہ مسلمانوں کا اعتقاد اور نظریہ ہے اس کے باوجود کوئی شخص خطیب کی حمایت میں اگر کوئی شق نکالتا ہے یا کوئی تاویل کرتا ہے تو یہ تاویل ایسی ہے جس سے خود مقرر راضی نہیں اور نہ رام کتھا کے منعقد کرنے والے راضی ہو سکتے ہیں ...... رام کتھا کی مجلس اس لیے نہیں منعقد کی گئی تھی کہ آنے والا مقرر ہندوؤں کے عقائد بیان کرے بلکہ اس لیے منعقد کی گئی تھی کہ ہر آنے والا مقرر اپنے نقطۂ نظر کو بیان کرے خواہ ان کا نقطۂ نظر ان کا اپنا ذاتی نقطۂ نظر ہو یا ان کے مذہب کا نقطۂ نظر ہو ...... یہ بات میں نہیں کہہ رہا ہوں بلکہ مقرر موصوف نے اس بات کی خود وضاحت کی ہے جیسا کہ خطیب صاحب اپنی تقریر کے پس منظر میں بیان کرتے ہیں:

انہوں (مراری باپو) نے گاندھی دھام گجرات میں ''رام کتھا'' کی ایک محفل رکھی جس میں سبھی لوگوں کو مدعو کیا۔ اور اپنے اپنے نقطۂ نظر سے اظہار خیال کی دعوت دی۔ مراری بابو نے عبید اللہ خاں کو اس لیے رام کتھا میں بلایا تھا کہ رام کے بارے میں وہ اپنے نقطۂ نظر کو بیان کریں اور خطیب بھی اس قدر چالاک نکلے کہ انہوں نے جو بھی بیان کیا AS عبید اللہ خاں بیان نہیں کیا بلکہ AS مسلمان بیان کیا ...... اور یہ بات بھی معلوم ہونی چاہیے کہ AS مسلمان بیان کرنے کا کیا مطلب نکلتا ہے، یہی نا کہ خطیب نے رام کے تعلق سے جو بھی بیان کیا ہے یہ بیان خود ان کا اپنا بیان نہیں ہے بلکہ ہندوستان کے تمام مسلمانوں کا ہے ایک ایک فرد مسلم کا ہے حقائق تو یہ بتا رہے ہیں مگر دار العلوم اشرفیہ کا مفتی اور وہاں کا مدرس کیا کھیر پوڑی پکا رہا ہے اس پر بھی ایک نظر ڈالی جائے مفتی نظام الدین صاحب لکھتے ہیں:

تقریر کے اقتباس سے ظاہر ہے کہ غیر مسلموں کے خیالات کو بتاتے ہوئے انہیں سے ان پر حجت قائم کی گئی۔ (فتویٰ جامعہ اشرفیہ، ص ۴)

دیکھئے یہ کیا تماشہ ہے؟ خطیب اور مراری بابو یہی سمجھ رہے ہیں کہ رام کے بارے میں جو خیالات پیش کیے گئے یہ خیالات مولانا کے ہیں اور مسلمانوں کے ہیں اور مفتی صاحب قبلہ کسی اور فردوس جہاں کی سیر کر رہے ہیں دوستی ہو تو ایسی کہ دوست کی بات بھی کاٹ دی جائے۔ اور مسئلہ بھی حل ہو جائے مسئلہ دائرہ میں یا خطیب غلطی پر ہیں یا مفتی صاحب دیدہ و دانستہ غلطی کر رہے ہیں......

بہر حال ہمارے قابل ترین علمائے کرام نے جو حکم تکفیر جاری کیا ہے وہی حق ہے درست ہے۔ کیا ہی بہتر ہوتا کہ اشرفیہ کے تمام اسٹاف خطیب صاحب کو توبہ کرنے اور دوبارہ کلمہ پڑھنے کی ترغیب دیتے۔ نیک کام یہ ہے اور جو کام خان صاحب کر رہے ہیں وہ قطعی نیک کام نہیں ہے...... اس پہلو کو نظر میں رکھیں تا کہ حقائق تک پہنچنے میں کوئی دشواری پیش نہ آئے......

تنقیح طلب امر دوم......

اس کے جواب میں مولانا نے اچھی خاصی لمبی بحث کی ہے اور فقہ کی کتابوں سے دلائل بھی پیش کیے ہیں...... اور اس بات کی کوشش بھی کی ہے کہ رام کتھا کی مجلس میں خطیب صاحب کا جانا اور وہاں جا کر رام کے بارے میں کلماتِ مدحیہ کہنا جائز ہے...... قبل اس کے کہ اس بارے میں کچھ کہنے کی جرأت کروں، یہ بتا دینا چاہتا ہوں کہ میلہ کیا ہوتا ہے اور رام کتھا کی مجلس کیا ہوتی ہے؟

اہلِ علم سے یہ بات پوشیدہ نہیں کہ میلہ وہ ہوا کرتا ہے جہاں ضرورت کا سامان ملا کرتا ہے۔ جس کو جیسی ضرورت محسوس ہوتی ہے اسی اعتبار سے وہ سامان کی خریداری کیا کرتا ہے...... میلہ ایک قسم کا بازار ہوا کرتا ہے جو خاص پروگرام سے پہلے سجایا جاتا ہے اور تہوار کے بعد بھی میلا چلتا رہتا ہے، اس کے باوجود اس میں کسی مسلمان کا جانا مطلقاً ناجائز ہے اور رام کتھا میلہ سے کافی فاصلہ پر واقع ہوا کرتا ہے...... اسی لیے دونوں کا حکم الگ الگ ہوگا۔ ایک کو دوسرے پر قیاس نہیں کیا جا سکتا ہے...... جہاں تک رام کتھا کی بات ہے وہ میلہ نہیں

اور وہاں میلے کا تصور نہیں ہوتا...... کیونکہ رام کتھا وہ مجلس ہوا کرتی ہے جس میں رام کا پارٹ پڑھا جاتا ہے اور رام کے حالات بیان کیے جاتے ہیں۔ اور جو بیان کرتا ہے وہ پنڈت بھگت کہلاتا ہے...... یہ مجلس نذر کے طور پر کی جاتی ہے اور کبھی اس لیے کی جاتی ہے تاکہ اس کے ذریعہ رام کی عبادت کی جائے اور اس کے نام کو روشن کیا جائے اس لیے رام کتھا کی مجلس میں تقریر کرنا کفر ہے اور تقریر کرنے والا کافر ہے اسلام سے خارج ہے اور یہی حکم آپ نے بھی بتایا ہے۔

ایک غلط فہمی اور اس کا ازالہ

یہاں مولانا عبدالحق خاں صاحب ایک زبردست غلطی فہمی میں مبتلا ہیں۔ مولانا بار بار اس بات کو دہرا رہے ہیں کہ کافر و مشرک کے دیوی، دیوتا کی مطلق تعریف کفر نہیں ہے بلکہ یہ اس وقت کفر ہوتی ہے جب یہ تعریف تصور الٰہ و معبود کے ساتھ کی جائے جیسا کہ مولانا موصوف تحریر کرتے ہیں:

> ”کفار و مشرکین کے دیوی دیوتاؤں کی تعریف اگر بلا اعتقاد معبودیت ہو تو ہرگز کفر و شرک نہیں۔ اصل کفر و شرک غیر خدا کو معبود جاننا اور ماننا ہے اور اس کا دار و مدار نیت پر ہے یعنی کسی ہستی کو واجب الوجود اعتقاد کر کے یا واجب الوجود کے خواص و لوازم میں سے کسی ہستی کے لیے ثابت مان کر یا کائنات عالم کی تدبیر میں کسی کے لیے ایسا دخل ماننا کہ اس کے بغیر نظام نہیں چل سکتا یا نفع و ضرر پہنچانے یا تخلیق و ایجاد میں کسی کو مستقل بالذات ماننا اس معنی کر کہ وہ بے اذن الٰہی جو چاہے کرے۔ یا تحلیل و تحریم کا اختیار مستقل ماننا یا کسی کی ذات و صفات کو ذاتی مان کر تذلل کرنا غایت تعظیم اور عبادت ہے اور جس کے لیے یہ عمل کیا جائے وہ معبود ہے اور ان مذکورہ تصورات و اعتقادات کے بغیر کسی کے لیے تذلل کرنا ہرگز عبادت نہیں اور وہ معبود نہیں۔“ (تکفیر مسلم پر تحقیقی نظر ص ۳۳)

قارئین مذکورہ عبارت پر گہری نظر ڈالیے اور دیکھئے کہ مولانا کیا کیا کہہ گئے؟ مولانا کے کہنے سے یہ مفہوم نکلتا ہے کہ بتوں کے سامنے جا کر ہاتھ جوڑنا کفر نہیں...... پھول چڑھانا کفر نہیں...... قشقہ لگانا کفر نہیں...... مندر میں جا کر گھنٹہ بجانا کفر نہیں اور اسی طرح بتوں کو سجدہ کرنا بھی کفر نہیں بلکہ ایسا کرنے والوں سے یہ پوچھا جائے کہ ایسے امور کو انجام دیتے وقت تمہارے دل میں کیا اعتقاد تھا؟ اگر اس کے دل میں معبود ہونے کا اعتقاد ہے جب کفر ہے اور اگر مذکورہ اعتقاد نہیں ہے تو کفر نہیں...... واہ کیا نظریہ ہے؟ مولانا نے تو مسلمانوں کے لیے مندر جانے کا راستہ صاف کر دیا کہ جاؤ اب کسی طرح کی کوئی روک ٹوک نہیں......

جب کہ حضور صدر الشریعہ فرماتے ہیں:

ہولی اور دیوالی پوجنا کفر ہے کہ یہ عبادت غیر اللہ ہے۔ کفر ہے کفار کے میلوں، تہواروں میں شریک ہو کر اون کے میلے اور جلوس مذہبی کی شان وشوکت بڑھانا کفر ہے۔ جیسے میلوں، تہواروں میں شریک ہو کر اون کے میلے اور جلوس مذہبی کی شان وشوکت بڑھانا کفر ہے...... جیسے رام لیلا اور جنم اسٹمی اور رام نومی وغیرہ کے میلوں میں شریک ہونا یونہی۔ ان کے تہواروں کے دن محض اس وجہ سے چیزیں خریدنا کہ کفار کا تہوار ہے، یہ بھی کفر ہے...... جیسے دیوالی میں کھلونے اور مٹھائیاں خریدی جاتی ہیں کہ آج خریدنا دیوالی منانے کے سوا کچھ نہیں۔ یونہی کوئی چیز خرید کر اس روز مشرکین کے پاس ہدیہ کرنا جب کہ مقصود اس دن کی تعظیم ہو تو کفر ہے۔ (بہار شریعت ص ۱۷۳)

بہارِ شریعت میں جہاں جہاں لفظ ''کفر'' کا استعمال کیا گیا ہے وہاں کسی قید کا ذکر نہیں ہے اور جہاں قید لگانے کی ضرورت تھی وہاں لگا دی ہے جیسے'' جب کہ مقصود اس دن کی تعظیم ہو'' مولانا کے نظریہ کے اعتبار سے'' اس دن کی تعظیم کے مقصود ہونے کے باوجود بھی کفر نہیں کہ انہوں نے ایسے معاملات میں ''اعتقادِ قلبی'' کو ضروری قرار دیا ہے...... مجھے تو ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ مولانا موصوف خود کو حضور صدر الشریعہ سے بھی زیادہ قابل سمجھتے ہیں۔ اس سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ مولانا خود کو بہت زیادہ قابل تصور کرتے ہیں۔ کاش مولانا حضور صدر

الشریعہ کے دور میں ہوتے یا آج حضور صدر الشریعہ ہوتے تو خوف و دہشت میں مولانا کے منہ سے زبان نکل جاتی اور بے وزن علم کا بخار دفعتاً اُتر جاتا......

یہ غلط فہمی کیوں اور کیسے؟

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ غلط فہمی کیوں اور کیسے پیدا ہوگئی؟ اور اس کے پیچھے کون سا راز پوشیدہ ہے؟ اس کو جاننے کے لیے مجھے ماضی کی تاریخ کو دہرانا پڑے گا اور از سرِ نو اس کا مطالعہ کرنا ہوگا۔

اولاً...... یہ کہ ود، سواع، یغوث، یعوق اور نسر حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے نیک لوگوں کے نام ہیں جب وہ فوت ہو گئے تو شیطان نے ان کے دلوں میں یہ وسوسہ ڈالا کہ جہاں وہ بیٹھتے تھے، وہاں ان کا بت نصب کرو۔ اور ان کے نام لیا کرو تو وہ ایسا ہی کرنے لگے۔

ثانیاً...... اس دور میں تو ان کی عبادت نہیں ہوئی مگر جب وہ لوگ ہلاک ہو گئے اور علم مٹ گیا، جہالت بڑھ گئی چھا گیا تو رفتہ رفتہ ان کے مجسموں کی عبادت و پرستش شروع ہو گئی۔

ثالثاً...... یہ (ود، سواع، یغوث، یعوق، نسر) ان کے بتوں کے نام ہیں جنہیں وہ پوجتے تھے بت تو ان کے بہت تھے مگر یہ پانچ ان کے نزدیک بڑی عظمت والے تھے۔ ود تو مرد کی صورت میں تھا۔ سواع عورت کی صورت پر اور یغوث شیر کی شکل میں اور یعوق گھوڑے کی اور نسر کرگس کی۔ یہ بت قوم نوح سے منتقل ہو کر عرب میں پہنچے اور مشرکین کے قبائل سے ایک ایک نے ایک ایک کو اپنے لیے خاص کرلیا۔

اس تفصیلی جائزہ سے معلوم ہوا کہ ود، سواع، یغوث، یعوق اور نسر جیسے لفظوں کی وضع دو مرتبہ ہوئی ......اولاً قوم نوح کے نیک لوگوں کے لیے اور ثانیاً ان بتوں کے لیے جنہیں لوگوں نے اپنے لیے تراش لیے تھے......یہیں سے اس بات کا سراغ لگتا ہے کہ جب یہ الفاظ بولے جائیں گے تو ان سے تبادر ذہنی ان افراد کی طرف ہوسکتا ہے جو قوم نوح کے نیک لوگ تھے اور ان بتوں کی طرف بھی ہوسکتا ہے جنہیں یہ پوجتے تھے......اس مقام پر شرعی طور پر اس بات کی اجازت ہوسکتی ہے کہ خوش عقیدہ افراد ان کے ذاتی اوصاف بیان کر سکتے

ہیں مگر اس بات کی اجازت نہیں کہ ان بتوں کے سامنے جا کر ان کے ذاتی اوصاف و کمالات بیان کریں۔اس کی وجہ یہ ہے کہ

الف......اس سے کفار و مشرکین کے ساتھ مشابہت لازم آتی ہے جو حرام ہے جیسا کہ حدیث پاک میں ہے:من تشبہ بقوم فھو منھم کہ جو جس قوم سے مشابہت رکھتا ہے وہ بھی اسی قوم سے ہو جاتا ہے

ب......اور اس سے لوگوں میں گمراہیت کے پھیلنے کا اندیشہ پیدا ہو جاتا ہے

اور نہ اس بات کی اجازت ہوگی کہ مندر میں جائیں اور نہ اس بات کی اجازت دی جا سکتی ہے اس مجلس میں جائیں جو کسی بت کی تعریف و توصیف کے لیے منعقد کیجاتی ہے...... کلام پاک میں جو ان کے بتوں کا ذکر آیا ہے وہ بطور حکایت ہے جیسا کہ اللہ پاک ارشاد فرماتا ہے: وقالوا لا تذرن الھتکم ولا تذرن وداً ولا سوعاً ولا یغوث ویعوق ونسراً وقد اضلوا کثیرا (اور بولے ہرگز نہ چھوڑنا اپنے خداؤں کو اور ہرگز نہ چھوڑنا ود اور سواع اور یغوث اور یعوق اور نسر کو اور بیشک انہوں نے بہتوں بہکایا) ان آیتوں میں ود، سواع، یغوث، یعوق اور نسر کا ذکر بطور حکایت ہے اس طور پر کہ بڑے پوجاریوں نے اپنے ماننے والوں سے کہا کہ اپنے خداؤوں کو ہرگز نہ چھوڑنا اور نہ ود سواع وغیرہ کو چھوڑنا اور جب کوئی چیز بطور حکایت بیان کی جاتی ہے تو اس میں اوامر کا شائبہ نہیں ہوتا ہے......اور نہ ہی یہ ذکر مقام مدح میں ہے جس سے یہ لازم آئے کہ ود اور سواع وغیرہ کی تعریف کی گئی ہے اور نہ ہی اس آیت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ود اور سواع کا تذکرہ ان کے شخصی اوصاف و کمالات کے ساتھ کیا جا سکتا ہے کیوں کہ اس مقام پر بتوں کا ذکر ہے اشخاص اور مسمیات کا ذکر نہیں ہے اس لیے مولانا کا اس آیت سے استناد بالکل غلط ہے......اس سے ثابت ہوتا ہے کہ بتوں کی مطلقاً تعریف و توصیف کفر ہے اور اس کار بد کو انجام دینے والا کافر ہے البتہ یہ بات یقینی طور پر کہی جا سکتی ہے ود اور سواع کا ذکر بطور قوم نوح کے کیا جا سکتا ہے مگر اس مقام پر جہاں ذکر کرنے سے بتوں کی طرف دھیان نہ جائے ورنہ یہ بھی ممنوع ہو

جائے گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس قسم کی تعریف سے لوگوں میں غلط فہمیاں پیدا ہو جائیں گی ......بہر حال آیت سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ دیوی دیوتا کی مطلقاً تعریف کفر ہوگی کہ یہ تعریف دیوی دیوتا کی ہوگی جس میں معبودیت کا تصور پہلے ہی سے پایا جاتا ہے چاہے تعریف دیوتا ود کی جائے یا دیوتا سواع کی......اگر دیوی دیوتا کی مطلقاً تعریف کرنا کفر نہ ہوتا تو خانہ کعبہ سے بتوں کو مسمار نہ کیا جاتا جیسا کہ حدیث پاک میں آیا ہے: ان النبی ﷺ لما رای الصور فی البیت لم یدخل حتی امر بها فمحیت۔ (الحدیث بخاری جلد اول کتاب الانبیاء ص ۴۷۳) کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب خانہ کعبہ میں تصویروں کو دیکھا تو اس میں داخل نہ ہوئے یہاں تک کہ تصویروں کو مٹا دیا گیا......اگر کسی طرح کی کوئی گنجائش ہوتی تو تصویروں کو مٹانے کا حکم نہ دیا جاتا......میں مولانا سے گزارش کرتا ہوں کہ سنجیدگی سے میری اس تحریر کا مطالعہ کریں شاید مولانا کی غلط فہمی کا ازالہ ہو جائے......بہر صورت خلاصہ کلام یہ ہے کہ کفار و مشرکین کے دیوی، دیوتا کی مطلقاً تعریف کرنا کفر ہے، مولانا غلط فہمی کے اس لیے شکار ہو گئے کہ انہوں نے دیوی، دیوتا کو مطلق تصور کر لیا حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ یہ اس کی دوسری حیثیت ہے مثال کے طور پر۔

لا بشرطِ شئی یعنی مطلق شئی..........محض ود، سواع، یغوث، یعوق اور نسر وغیرہ۔

بشرطِ شئی یعنی مطلق شئی بشرط لا شرط......ود اور سواع وغیرہ کا نیک لوگوں میں ہونا یہ پہلی حیثیت ہے۔ اس پہلی حیثیت کا تصور حضرت نوح علیہ السلام سے لے کر اب تک برقرار ہے، جیسا کہ احادیث میں آیا ہے۔ یہ حیثیت متقدم ہے

بشرط شئی یعنی مطلق شئی بشرط شئی......ود اور سواع وغیرہ کا بت ہونا یہ اس کی دوسری حیثیت ہے جو متاخر ہے ان کی حیثیت عمومی نہیں بلکہ خصوصی ہے اور بہت ہی کم لوگوں میں متعارف ہے اور صرف انہیں لوگوں میں متعارف ہے جو ان کے بتوں کی عبادت کرتے ہیں قرآن مقدس میں ان کی اسی حیثیت کا ذکر کیا گیا ہے۔ دیوی اور دیوتا کا تصور بشرط شئی کے

درجہ میں ہے اور یہ کفر ہے اس میں کسی قسم کی شق نکالنا باطل ہے۔دیوی اور دیوتا کے علاوہ کسی کا بھی تصور کیا جائے......عالم کا تصور کیا جائے یا کسی مؤذن کا یا کسی کافر کا تصور کیا جائے یہ تصور لابشرط شئی کے درجہ میں ہے اس لیے یہ کفر نہیں ہے اور اگر کسی عالم کی اہانت اس کے علم کی وجہ سے اور مؤذن کی اذان کی وجہ سے تو یہ تصور بشرط شئے ہوگا اس لیے یہ کفر ہے اور اگر اہانت عدم علم واذان، اور کفر کی قید کے ساتھ کیا جائے تو یہ کفر نہیں ہے اور یہ تصور بشرط لا شئے ہوگا......رام کے تعلق سے صرف ایک تصور ہے اور وہ تصور صرف بشرط شئے ہے اور اس قسم کے تصور میں شق نکالنا حماقت ہے ونادانی ہے۔مولانا کی غلطی یہ ہے کہ انہوں نے بشرط شئے کو لابشرط شئے تصور کرلیا......اس لیے میں مشورہ دیتا ہوں کہ کسی کو پڑھانے سے پہلے خود پڑھیں اور کسی کا استاذ بننے سے پہلے کسی قابل استاذ کی شاگردی اختیار کریں۔

دیکھو! اسے جو دیدۂ عبرت نگاہ ہو

مولانا عبدالحق صاحب نے اسی عنوان سے اپنے ایک مضمون کو معنون کیا ہے اور میں بھی اسی عنوان سے اپنی درج ذیل تحریر کو معنون کر رہا ہوں محض اس لیے کہ ترکی بہ ترکی جواب ہو سکے اور ''جواب آں غزل'' کے روپ میں جمالیاتی انداز فکر نمایاں ہو سکے......اس کے تحت مولانا فرماتے ہیں

اب میں جملہ اہلِ علم و دانش سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ بنص قرآن ود، سواع وغیرہ پانچوں بت دیوی دیوتا ہیں اور ان کی پرستش صرف قوم نوح ہی نہیں بلکہ مشرکین عرب بھی کیا کرتے تھے اور ایسے ہی حضرات انبیاء کرام اور دیگر صالحین کی پوجا اہل عرب کا محبوب ترین مشغلہ تھا خصوصیت کے ساتھ حضرت سیدنا ابراہیم واسماعیل علیہما الصلاۃ والتسلیم اور حضرت مریم رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور فرشتوں کی بھی عبادت اور پوجا کی جاتی تھی ....اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہم مسلمان انبیاء کرام ورسل عظام اور دیگر محبوبان بارگاہ الٰہی کی صرف تعریف وتوصیف ہی نہیں حد درجہ تعظیم وتکریم بھی کرتے ہیں اور اس تعظیم وتکریم کا حکم خود رب العالمین نے اپنے بندوں کو دیا ہے اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے: وتعزروہ وتوقروہ۔۔۔۔

اور رسول کی تعظیم اور توقیر کرو۔ وللہ العزۃولرسولہ وللمومنین ولکن المنافقین لا یعلمون اور عزت تو اللہ اس کے رسول اور مسلمانوں ہی کے لیے ہے مگر منافقین کو خبر نہیں۔(تکفیر مسلم ص ۶۳/ ۳۷)

مذکور بالا دونوں آیتوں کا صرف اس قدر مطلب ہے کہ نبی اور رسول کی عزت کرو...... عزت تو صرف اللہ اس کے رسول اور مومنین کے لیے ہے ان تینوں کے علاوہ کسی اور کے لیے عزت نہیں ہے۔ یہ تو قرآن مقدس کا ارشاد ہے مگر مولانا اس سے کیا سمجھتے ہیں؟ دیدۂ حیرت سے دیکھیے اور گوش عجاب سے سنیے:

اگر مطلقا معبودان کفار کی عزت تعریف وتوصیف کفر ہو تو لازم آئیگا کہ معاذ اللہ ہم مسلمانوں کو قرآن نے کفر کرنے کا حکم دیا ہے۔(حوالہ سابق اور وہی ص نمبر)

معلوم نہیں۔ مولانا کو کیا ہو گیا ہے کہ ان کا قلم قدم قدم پر پھسل رہا ہے......لکھنا کچھ چاہتے ہیں اور لکھ کچھ جاتے ہیں...... کیا یہ لغزش غیر شعوری طور پر واقع ہو رہی ہے یا شعوری طور پر مولانا اسی قسم کے کرشمہ کو انجام دینا چاہتے ہیں......میں سمجھتا ہوں یہ مولانا کی شعوری خطا ہے......میں مولانا سے پوچھنا چاہتا ہوں اور یہی سوال تمام اہل فکر و دانش سے ہے کہ دونوں آیتوں میں معبودان کفار کی شمولیت کس راہ سے ہو رہی ہے؟ جب عزت اللہ کے لیے ہے تو اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ غیر اللہ کے لیے عزت نہیں ہے اور جب یہ فرمایا گیا کہ عزت تو صرف انبیاء اور رسولوں کے لیے ہے تو اس مفہوم سے یہ نکلتا ہے انبیاء اور رسول کے علاوہ کسی اور کے لیے عزت نہیں ہے اور جب اللہ پاک نے یہ فرمایا کہ عزت تو صرف مومنوں کے لیے ہے تو ظاہر ہے غیر مومن کے لیے کوئی عزت اور کوئی وقار نہیں ہے......معبودانِ کفار تو ان میں سے کسی میں شامل نہیں تو پھر ان کے لیے عزت کہاں؟ اور حرمت و وقار کہاں...... اللہ رسول اور مومنین کی تعظیم وتوقیر اس لیے جائز ہے کہ یہاں معبودیت کا اعتقاد نہیں اور کفار کے معبودوں کی عزت اس لیے باعث کفر ہے کہ یہ تراشے ہوئے مجسمے اور پیکر کی شہرت معبود کی حیثیت سے ہے......رام کے تعلق سے تو بات کرنا ہی بھول جائیں کہ رام مثل ودسواع اور

انبیاء کرام نہیں ہے اس لیے وہ کسی عزت کا مستحق نہیں۔

مولانا کی کتاب ''تکفیر مسلم'' پر کہاں کہاں انگلی رکھی جائے؟ پوری کتاب تو چھلنی ہے اور چھلنی ہی رہے گی......مولانا نے اپنے موقف کی تائید میں جس قدر بھی دلیلیں دی ہیں...... گو کہ وہ سب کی سب اپنے اپنے مقام پر بہتر ہیں، مگر ان دلیلوں سے مولانا کے موقف کی تائید نہیں ہوتی ہے..........اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مولانا کی ذات میں استدلالی قوت کی کمی ہے اور اس اعتبار سے مولانا کی شخصیت کھوکھلی نظر آتی ہے اجالوں کی بستی میں یہ ایک ایسا سیاہ دھبہ ہے جو دور ہی سے نظر آتا ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆

باب یازدہم

مولانا کے سوالات اور ہمارے جوابات

مولانا موصوف نے متنازع فیہ تقریر کے تعلق سے چند سوالات کیے ہیں ان میں سے ہر ایک سوال کا جواب دیا جا رہا ہے۔ حالانکہ مولانا اپنے سوالات کو لاجواب تصور کر رہے ہوں گے شاید مولانا اس بات کو فراموش کر بیٹھے ہیں کہ اس دنیا میں کیا نہیں ہے علم وحکمت اور فکر وشعور کے میدان میں ایک سے بڑھ کر ایک ہے، کوئی کسی سے کم نہیں ہے...... پہلے مولانا کا سوال درج کیا جائے گا اس کے بعد اس سوال کا جواب دیا جائے گا۔

مولانا کا پہلا سوال ہے

میں مفتیانِ عظام سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ بتائیں قرآن وحدیث کی رو سے رام کی حیثیت کیا ہے؟ کافر یا مومن۔ موحد یا مشرک جو بھی حیثیت ہو دلیل قطعی سے ثابت کریں۔

جواب ...... یہ سوال خود مولانا موصوف کو اپنے آپ سے کرنا چاہیے نہ کہ مفتیانِ عظام سے اس لیے کہ رام کی تعریف کسی مفتی یا عالم اور مدرس نے نہیں کی ہے بلکہ ایک خطیب اور مقرر نے کی ہے۔ یہ خطیب کی اولین ذمے داری تھی کہ پہلے رام کی حیثیت کا تعین کرتے کہ وہ کافر ہے یا مومن ...... موحد ہے یا مشرک۔ اس حیثیت کے تعین کے بعد ہی خطیب مذکور کو رام کی تعریف میں اپنی زبان کھولنی چاہیے یا پھر رام کی حیثیت کا تعین اسے کرنا چاہیے جو خطیب کی تائید میں قلم دوات لے کر باادب کھڑے ہیں مگر مولانا نے اپنے پالے کی گیند

مفتیان عظام کی طرف اچھال دی ہے اس سوال میں فکری اقدام نا کے برابر ہے اس کے برخلاف غیر فکری رویہ زیادہ پایا جاتا ہے۔ مولانا نے خصوصیت کے ساتھ رام کی حیثیت متعین کرنے کی بات کہی ہے شاید مولانا کو یہ بات نہیں معلوم کہ

الف......قرآن میں ہر چیز کا واضح بیان پایا جاتا ہے اور یہ اسی وقت ہوسکتا ہے جب اس بیان کو کلی انداز میں لیا جائے۔ تو پھر مولانا کو رام کی حیثیت کو خصوصی اور جزوی انداز میں لینے کی اجازت کس نے دی؟

ب......جب کسی جزوی کی حیثیت کا تعین کلیت کے سہارے کیا جاتا ہے تو یہ ثبوت ظنیات کے باب سے تعلق رکھتا ہے مگر مجھے افسوس ہے کہ مولانا نے اس کے تعین کے لیے دلیل قطعی کا مطالبہ کیا ہے اس طرح کا مطالبہ بچوں کا کھیل ہے کوئی علمی اور فکری کمال نہیں۔

ج......کسی کی تعیین حیثیت کا مطالبہ اسی وقت کیا جاسکتا ہے جب کہ اس کا وجود متحقق ہو اس لیے کہ وجود کا متحقق ہونا اصل ہے اور تعیین حیثیت اس کی فرع ہے۔ ارباب فکر اس بات سے واقف ہیں کہ رام کا وجود متحقق نہیں اور اس کے وجود پر ہنود کا تواتر شریعت میں معتبر نہیں لہٰذا ثابت ہوا کہ جب وجود متحقق نہیں تو اس کی حیثیت کی تعیین بھی متحقق نہیں ہوسکتی...... ایسی صورت میں تعیین حیثیت کا مطالبہ جہالت، نادانی اور حماقت ہے۔

د......یہ مولانا بھی عجیب قسم کے ہیں منصب تو مولانا کا ہے اور سوال بالکل عامیانہ ہے جس طرح کوئی جاہل گنوار دارالافتاء میں سوال لے کر آتا ہے تو اس کے سوال میں عمومی طور پر یہ ضرور لکھا ہوتا ہے کہ اس کا جواب قرآن و حدیث کی روشنی میں عنایت فرمائیں۔ مولانا کا سوال بھی اسی انداز کا ہے۔

س......یہ سوال بھی دائرہ بحث سے الگ ہے یہاں مسئلہ رام کی تعریف کا ہے نہ کہ اس کی تعیین حیثیت کا۔

جب مولانا کے سوال میں اس قدر خامیاں ہیں تو پھر ظاہر ہے اس کا جواب کیا ہوسکتا ہے سوال میں اگر کوئی اپنی جہالت اور حماقت کا اظہار کرے۔ تو مفتی پر کب واجب ہوتا ہے

کہ وہ اس طرح کے سوال کا جواب تحریر کرے

لہٰذا انہیں سوالات کے ضمن میں یہ واضح ہو گیا کہ رام کی حیثیت کیا ہے اب اس پر کچھ مزید لکھنے کی کوئی ضرورت نہیں۔

مولانا کا دوسرا سوال ہے

دوسرا سوال یہ ہے کہ غیر اللہ کا پرستار یقینا مشرک ہے تو کیا یہ بھی ضروری ہے کہ جس کی پرستش کی گئی وہ کافر و مشرک ہو اور اسے ناپاک جاننا ضروری ہو۔

ہمارا جواب

جس کی پرستش کی جاتی ہے وہ جامد، غیر متحرک اور پتھر کا تراشا بت ہوا کرتا ہے وہ کوئی انسان ہی نہیں ہوتا ہے قوم نوح نے ود اور سواع کی پرستش کی اور اہل عرب ایسے بتوں کی عبادت کر رہے تھے ظاہر ہے ان بتوں کے کافر یا مشرک ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ہے لہٰذا یہ سوال بھی غیر معقول ہے میں یہ کس طرح کہدوں کہ اہل عرب ان نیک لوگوں کی عبادت کیا کرتے تھے جن کے نام ود سواع یغوث یعوق اور نسر تھے البتہ انہوں نے اپنے بتوں کا نام ان کے ناموں پر رکھ لیے تھے...... ان بتوں میں کسی کی شکل مرد جیسی تھی اور کسی کی عورت جیسی...... کوئی شیر کی مانند تھا اور کوئی گھوڑے جیسا تھا اور کوئی بت کرگس کی مانند تھا جب کہ ان افراد کی صورتیں انسانوں جیسی تھیں...... لہٰذا لوگوں کو اپنے ذہن سے یہ خیال نکال دینا چاہیے کہ وہ نیک افراد کی عبادت کیا کرتے تھے بس بات اتنی سی تھی کہ ان بتوں کے نام ان کے ناموں پر رکھے ہوئے تھے اس لیے لوگوں کو دھوکہ ہوا کہ یہ انہیں کی عبادت کرتے ہیں اس بنیاد پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ جو نیک لوگ ہیں وہ معبود نہیں...... اور جو معبود ہیں ان کا نیک ہونا تو بڑی بات ہے وہ انسان ہی نہیں ہیں اس لیے ان کے کافر اور مشرک ہونے کی بات ہی کہاں پیدا ہوتی ہے؟ اور جہاں تک ان بتوں کے ناپاک ہونے کی بات ہے تو اس سے آپ کی کیا مراد ہے؟ نظریاتی طور پر یا پھر جسمانی طور پر پہلے اس کی وضاحت کریں اس کے بعد ہی جواب دیا جائے گا۔

مولانا کا تیسرا سوال

تیسرا سوال یہ ہے کہ گنگا و جمنا اور دنیا کے دیگر دریاؤں اور سمندروں کے پانی کو اگر کسی نے پاک و پوتر کہہ دیا تو کیا وہ کافر ہے؟ ارے میرے بھائی! دنیا کے یہ سارے پانی پاک و پوتر ہی نہیں، پاک و پوتر بنانے والے ہیں تاوقتیکہ وہ نجاست سے آلودہ نہ ہو۔ مٹی کو دیکھیں مٹی صرف پاک و پوتر ہی نہیں بلکہ یہ بھی پاک و پوتر بنانے والی ہے۔

ہمارا جواب۔

یہ سوال جہالت پر مبنی ہے۔ اس کی وجہ یہ کہ سوالات کا سلسلہ کس کے تناظر میں کیا گیا ہے یعنی رام کے پوتر ہونے ......تو ظاہر سی بات ہے ہر سوال کو اسی تناظر میں دیکھا جائے گا۔ تو پھر بتایئے پانی کو رام سے کیا نسبت ہے؟ کیا پانی بھی رام کی طرح ان کا معبود ہے؟ جس طرح یہ رام کو پوجتے ہیں کیا اسی طرح پانی اور مٹی کو بھی پوجتے ہیں؟ اس تعلق سے ایک اور سوال ذہن میں پیدا ہو رہا ہے کہ ہم رام کو پانی کی طرح اور پانی کو رام کی طرح نہیں کہہ سکتے کہ رام جامد ہے متعین ہے اور پانی میں سیلانیت پائی جاتی ہے اور ہر وقت، ہر آن تبدل و انقلاب سے دوچار ہوتا رہتا ہے...... ابھی یہاں ہے تو دوسرے آن وہ کہیں اور ہوتا ہے اور وہ کہاں کہاں جاتا ہے اس کا بھی پتہ نہیں۔ پانی کو کسی نے آج تک معبود نہیں کہا ہے اس لیے ہندوؤں کے دھرم سے پانی کا کوئی لینا دینا نہیں ہے...... اب اگر کوئی پانی کی تعریف کرتا ہے تو وہ کافر و مشرک نہیں ہو سکتا ہے۔ سوال کرنے سے پہلے کبھی اس بات پر بھی غور کر لیا ہوتا کہ پانی رام نہیں ہے، تو پانی کے بارے میں آپ کبھی سوال ہی نہیں کرتے کہ جو راستہ مقصد اور منزل تک نہیں جاتا ہے تو پھر اس راہ پر چلنے سے کیا فائدہ؟

مولانا کا ایک اور سوال

ہمارا جواب

اعظمی صاحب نے اپنی تقریر میں ایک جملہ یہ بھی کہا تھا کہ ”رام کا کریکٹر اتنا نرالا، پیارا، بے مثال ہے“ دنیا کا کوئی بھی مفتی و فقیہ مجھے بتائے کہ اس جملے میں کیا کفر پایا جاتا ہے۔

(تکفیر مسلم ص ۴۳)

میرا بھی تمام ارباب فکر ودانش سے سوال ہے کہ رام کے کریکٹر کے لیے نرالا، پیارا اور بے مثال جیسے لفظوں کے استعمال سے رام کا اعزاز ثابت ہوتا ہے کہ نہیں...... اس جملے سے رام کے ذاتی اوصاف وکمالات مراد لینے کی راہ مسدود ہو چکی ہے کہ ذاتی اوصاف و کمالات اس کے ہوا کرتے ہیں جن کا وجود متحقق ہوتا ہے اور یہاں تو متحقق ہی نہیں تو پھر ذاتی اوصاف وکمالات کس طرح ہو سکتے ہیں۔ اس لیے یہ بات تقریباً متعین ہو چکی ہے جس نے بھی مذکورہ جملے کے ذریعے رام کی تعریف کی وہاں معبود کا تصور پہلے ہی سے پایا جاتا تھا...... اس لیے اس جملے کے کفر ہونے میں کسی کو کلام نہیں...... چونکہ یہ تقریر رام کتھا میں کی گئی اس لیے یہاں رام سے مراد وہ رام ہے جس کی پرستش ہندو حضرات کرتے ہیں۔ وہ رام مراد نہیں جو عام طور پر پائے جاتے ہیں۔ اگر یہ تقریر عام مجلسوں میں کی جاتی تو شاید خطیب صاحب کے لیے یہ تاویل بعید مفید ثابت ہوتی؟ مگر افسوس کہ مولانا لاکھ جتن کرنے کے باوجود اپنے ممدوح کو اس ہولناک دلدل سے نہ نکال نہیں سکتے......

مولانا ایسی بھی بے جا حمایت کس کام کی؟ جو کسی مجرم کو کالی کوٹھری میں ہی رہنے پر مجبور کرے ضرورت اس بات کی ہے کہ ضد اور انانیت کے خول سے باہر ہو کر باہر آئیں قدرتی ہواؤں میں سانس لے کر تازہ دم ہو جائیں پھر اس بارے میں سوچیں کہ خطیب کو اور ہمیں کیا کرنا ہے؟ اور کون سی راہ اپنائیں جس سے نجات نصیب ہو جائے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

باب دوازدہم

کفر سے اب کون بچائے گا؟

حضرات گرامی!

ایک وہ سنہرا دور تھا جہاں اُجالے ہی اُجالے نظر آتے تھے اور ہر سمت نکہتوں کی بارش ہوا کرتی تھی۔ وہ زمانہ صدق وصفا کا زمانہ تھا۔ خلوص اور محبت کا زمانہ تھا۔ جان چلی جاتی تھی مگر سچ کے اظہار میں کسی قسم کی کوتاہی نہیں برتتے تھے...... مگر آج کا دور بڑا پیچ وتاب کھاتا دور ہے...... ظاہر میں کچھ نظر آتا ہے اور باطن میں کچھ اور چھپا ہوتا ہے...... کل جب کوئی گناہ کرتا تھا تو خود چل کر اپنے گناہوں کا اقرار کرتا تھا اور سزا کاٹنے کو تیار رہا کرتا تھا...... یہ سب کس طرح ہوا کرتا تھا؟...... وجہ صرف یہ تھی کہ ان کے دلوں میں خدا کا خوف ہوا کرتا تھا اور ندامت وشرمندگی کا احساس اسے ایسا کرنے پر مجبور کیا کرتا تھا...... لیکن آج کا مزاج یہ ہے کہ لوگ گناہ بھی کرتے ہیں اور طرح طرح کے حیلوں بہانوں سے کیے ہوئے گناہوں کے لیے جواز فراہم کرنے کے لیے کوشاں رہتے ہیں...... اور جب جواز فراہم نہیں ہو پاتا ہے تو پھر کچھ نہ کچھ کرتے ہی رہنے میں اپنے لیے نجات اور خلاصی تصور کرتے ہیں...... ایسا کر کے کوئی صرف دنیا کو جیت سکتا ہے مگر دین کو کیسے جیت سکیگا؟ دنیاداروں کے دلوں میں اپنی جگہ بنا سکتا ہے مگر دینداروں کو اپنے دام تزویر میں کیسے لے سکتا ہے...... بے پڑھے لکھے انسانوں میں اپنی ساکھ جما سکتا ہے مگر دانشوروں، مفکروں، مدبروں اور علم فن کے ماہرین کا سامنا کیسے کرسکتا ہے؟

یہ تو ایسا ہی ہے جیسا کہ کسی دور میں اقبال نے کہا تھا کہ

آیا ہے مگر اس سے عقیدوں میں تزلزل
دنیا تو ملی پر طائر دیں کر گیا پرواز

اس لیے ضرورت ہے کہ اپنی سوچ کا قبلہ بدل لیا جائے اور کسی تأمل کیے بغیر دیوار و در پر لکھی ہوئی نصیحتوں پر عمل کیا جائے۔ جہاں کہیں بھی اس طرح کا جذبہ ہوتا ہے وہی کامیاب ہوتا ہے۔ اگر فرد میں پایا جائے تو وہ مقدر کا سکندر ہوتا ہے...... گھر خاندان اور سماج میں پایا جائے تو وہ زمین کی وسعتوں میں رہتے ہوئے بھی آسمان کی بلندی پر نظر آتا ہے اور اگر خاک میں ہو تو وہ سونا بن جاتی ہے...... اور اس کے برعکس اگر سونا میں پایا جائے تو وہ خاک ہو جاتا ہے...... یہ باتیں بطور تمثیل پیش کی گئیں۔ تاکہ ہمارے قارئین اس پر غور کریں اور سنجیدگی سے کام لیں...... اس بات میں کسی قسم کا شک و تردّد نہیں کہ واقعی طور پر وہ سونا ہوتا ہے جسے اپنی غلطیوں کا احساس ہو جاتا ہے اور جو اس کے تدارک کے لیے کوشاں رہتا ہے ...... وہ انسان خاک ہوتا ہے جو اپنی خطا کو نہ مانے۔ اور اس سے زیادہ بُرا ہوتا ہے جو خطا کو مانتے ہوئے بھی اپنی خطا کے لیے جواز فراہم کرے...... فرض کر لیا کہ جواز بھی فراہم ہو گیا۔ اس سے تو صرف ہم یا آپ ہی مطمئن ہو سکتے ہیں...... لیکن سب کچھ یہی نہیں ہے بلکہ وہاں بھی جانا ہے جہاں کسی کا کوئی بہانہ نہیں چل پائے گا تو اس وقت کیا کیا جائے گا اور کون سی تدبیر عمل میں لائی جائے گی؟ ان ساری باتوں کو بھی ذہن میں رکھا جائے......

ایک چرب زبان کافروں کے دیوی، دیوتا کی تعریف کرتا ہے اور نہایت ہی طمطراق انداز میں تعظیمی کلمات کا استعمال کرتا ہے مگر چہرہ پر کسی طرح کا کوئی ملال نہیں افسوس نہیں اور کسی قسم کا کوئی پچھتاوا نہیں...... اس کا مطلب یہ نکلتا ہے کہ اس کی نگاہ میں اس کی کوئی اہمیت نہیں یا پھر وہ یہ سمجھتا ہے کہ ہم بڑے ہیں خطیب اور مقرر ہیں میرا کون کیا بگاڑ سکتا ہے اور اس کا ایک مطلب یہ بھی نکلتا ہے کہ وہ ایسا کرنے کو ٹھیک ٹھاک تصور کرتا ہے۔

بہر حال سمجھنے والے کچھ بھی سمجھیں۔ مگر شریعت کسی کی تابع نہیں ہوتی ہے کوئی رات کو

دن کہے یا دن کو رات تصور کرے کیا ایسا ہو جائے گا نہیں ہر گز نہیں...... حقیقت اپنی جگہ اٹل رہتی ہے اور شریعت کا اپنا الگ مزاج ہوتا ہے اس کی نگاہ میں جو ہے سو ہے آج سے پہلے بھی یہی تھا اور آج بھی یہی ہے اور کل آئندہ بھی یہی رہے گا اسی شرعی حکم کو یہاں بتایا گیا ہے کہ خطیب کافر ہے اسلام سے خارج ہے ایسی صورت میں خطیب کو کفر سے کوئی بچانے والا نہیں ان کی حمایت میں ایک نہیں ہزار آجائیں اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا ہے ہاں! اگر اسے کفر سے کوئی بچا سکتا ہے تو وہ صرف ''جبر و اکراہ'' ہے جب یہی بات مولانا صدیق صاحب نے کہی تو عبد الحق صاحب بھڑک اُٹھے۔ آگ ببولہ ہو گئے۔ حالانکہ ایک عالم دین کو آگ ببولہ ہونے کے بجائے سنجیدگی سے غور کرنا چاہیے تھا۔ مگر مولانا بھی کیا کریں وہ خطیب کی بیجا محبت میں اس قدر مدہوش ہو چکے ہیں کہ انہیں خود اپنا بھی ہوش نہیں ہے کہ ہم کیا لکھ رہے ہیں اور کیا کچھ بک رہے ہیں۔؟ لیکن میرا ماننا ہے کہ کفر صریح بکنے کے بعد اس کے بچنے کی صرف ایک ہی صورت ہے کہ وہاں اکراہ شرعی پایا جائے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ موانع تکفیر میں سے یہاں نہ خطیب نابالغ ہے نہ بے عقل ہے اور نہ ہی جنونی ہے اور یہاں سبقت لسانی بھی نہیں ہے یہ تو مسلم ہے اب موانع میں سے صرف اکراہ شرعی بچا ہے اگر ایسی کوئی صورت ہے تو بتائیے تا کہ خطیب صاحب بچ سکیں۔ اور اب تک کی تحریروں سے واضح ہوتا ہے کہ یہاں اکراہ شرعی بھی نہیں ہے۔ تو ایسی صورت میں پھر کون ہے جو خطیب کو کفر سے بچالے۔ جہاں تک ضد، انانیت اور ہٹ دھرمی کی بات ہے تو اس کا کوئی علاج نہیں ارسطو کے یہاں بھی اس کا کوئی علاج نہیں تھا......

معارضہ اپنی جگہ ٹھیک ہے

میں سمجھتا ہوں مبارکپوری تحریر کے رد میں جس قدر بھی تحریریں لکھی گئیں ہیں ان تمام تحریروں میں مفتی نظام الدین صاحب کے تصدیق شدہ ایک فتویٰ کو معارضہ میں پیش کیا گیا ہے...... مگر مولانا عبد الحق کا ماننا ہے کہ یہ معارضہ نہیں اس لیے مناسب یہ ہے معارضہ کو سمجھیں کہ معارضہ کیا ہے؟

علامہ شریف جرجانی فرماتے ہیں:

۱۴۰۲= المعارضة لغةً هي المقابلة على سبيل الممانعة واصطلاحاً هي اقامة الدليل على خلاف ما اقام الدليل عليه الخصم بان اورد دليلاً على نقض مدعاه۔ (التعريفات) ......

معارضہ از روئے لغت ممانعت کے طور پر دلیل کا دلیل سے مقابلہ کرنا ہے اور اصطلاح میں معارضہ اس کے خلاف دلیل لانا ہے جس پر مخالف نے دلیل قائم کی ہے۔۔۔۔۔معارضہ کو اپنے ذہن میں رکھیں اور پھر یہ تحریر پڑھیں......

مرکز تربیت افتاء کے ''مجموعہ فتاویٰ'' جلد دوم کتاب السیر ص:۶۰ میں ہے:

غیر مسلموں کے دیوی دیوتاؤں کی تعریف کرنا، ان کو عزت دینا، ہے مزید برآں زید کے اس شعر ''کڑ کڑ میں رام بسے من میں سیتا رام'' سے ان کے دیوتاؤں سے اعزاز ظاہر ہے جو صریح کفر ہے۔

حضرت مفتی محمد نظام الدین صاحب نے اس فتویٰ کی تصدیق فرمائی ہے۔

میں اپنے قارئین سے گزارش کروں گا کہ اس فتویٰ اور اس کی زبان پر غور کریں۔

پہلا جملہ ہے......غیر مسلموں کے دیوی دیوتاؤں کی تعریف کرنا۔ یہ مستقل جملہ ہے اور اس میں تعریف مطلق ہے خواہ معبود سمجھ کر تعریف کی جائے یا معبود سمجھے بغیر تعریف کی جائے دونوں کا ایک حکم ہے

دوسرا جملہ ہے......ان کو عزت دینا ہے۔ یہ بھی مطلق ہے۔

مذکور بالا جملوں کے تعلق سے چند باتیں سمجھ میں آتی ہیں۔

الف ......مفتی اور مصدق دونوں حضرات نے دونوں جملوں میں (تعریف کرنا، عزت دینا) کو مطلق رکھا ہے جو اس بات کی واضح علامت ہے کہ اسے ''اصول اور ضابطہ کی حیثیت حاصل ہے'' جس کو ابھی تک نظریہ کی حیثیت حاصل ہے۔

ب......کڑ کڑ میں رام بسے من میں سیتا رام اس شعر کا حکم اسی ضابطہ کے تحت بتایا

گیا ہے جیسا کہ فتویٰ کے اسلوب سے ظاہر ہے جیسا کہ فتویٰ میں کہا گیا ہے کہ "سے ان کے دیوتاؤں کا اعزاز ظاہر ہے۔

اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ الف میں مذکورہ ضابطہ نظریہ کی حیثیت رکھتا ہے اور ب میں اسی نظریہ کو عملی حیثیت سے برتا گیا ہے۔ اسی کو منطقی انداز میں اس طرح کہا جا سکتا ہے اس کو شکل اول میں لاتے ہوئے اس پر غور کرنے کی ضرورت ہے تا کہ مسئلہ پورے طور پر حل ہو جائے اور اس پر کسی طرح کے شک و تردد کا غبار باقی نہ رہے

صغریٰ دیوی، دیوتا کی ہر تعریف اعزاز ہے

کبریٰ ہر اعزاز کفر صریح ہے

نتیجہ دیوی دیوتا کی ہر تعریف کفر صریح ہے

یہ نتیجہ بالکل صحیح اور درست ہے اس پر کسی قسم کا کلام نہیں کیا جا سکتا ہے۔ صغریٰ کی دلیل یہ ہے کہ مفتی اور مصدق دونوں صاحبان نے تعریف کرنے کو اعزاز کرنے سے تعبیر گیا ہے جو کہ موجبہ ہے اور کبریٰ کلیہ ہے شکل اول کی ضرب اول کے لیے اسی قدر کافی ہے اس سے مزید کسی شرط اور قید کی حاجت نہیں قطبی ص ۱۶۰ میں ہے

اما الشرائط التی بحسب الکیفیۃ والکمیۃ امران ففی الشکل الاول امران احدھما ایجاب الصغری وثانیھما کلیۃ الکبریٰ۔

اگر صغریٰ اور کبریٰ میں کسی قید کو بڑھایا جائے تو یہ علمی اعتبار سے غلط ہوگا اور فتویٰ کا اسلوب بھی معیار سے گر جائے گا اس سے مفتی کی شخصیت بھی مجروح ہوگی اور مصدق کی شخصیت بھی کہیں کی نہ رہے گی...... مولانا عبدالحق خاں صاحب نے شعر کی جو وضاحت کی ہے اس کا تبادر فتویٰ سے دور دور تک نہیں ہوتا ہے اور نہ شعر سے واضح ہوتا ہے کہ انہوں نے اپنے اس شعر میں ہندوؤں کے عقیدۂ حلول کی نمائندگی کی ہے بلکہ انہوں نے اپنے دل کی ترجمانی کی ہے اسی لیے اس کو صریح کفر سے تعبیر کیا گیا ہے میری سمجھ میں نہیں آتا ہے کہ مولانا کو یہ الہام کہاں سے ہو گیا اور یہ الہام کس کا ہے؟ ذرا سنجیدگی سے اس پر غور کریں اور سمجھنے کی

کوشش کریں ایک صاف ستھری عبارت کو بنارس کی پُر پیچ گلیاں نہ بنائیں ...... فتویٰ کا اسلوب نہایت ہی سادہ اور بیانیہ ہوا کرتا ہے۔ اسے پر پیچ بنانے سے اسلوب کا مزاج بگڑ جائے گا...... اگر آپ کو اپنا خیال نہیں ہے تو کم از اسلوب فتاویٰ کا ضرور خیال رکھیں......

یہ فتویٰ ہر اعتبار سے ''معارضہ'' بننے کی صلاحیت رکھتا ہے کہ مولانا اعظمی نے بھی دیوی دیوتا کی تعریف کی ہے یعنی اس کو عزت دی ہے اس لیے اسے بھی کفر صریح ہونا چاہیے کفر صریح کفر کلامی ہوا کرتا ہے جیسا کہ مولانا کا خیال ہے جس کی بنیاد پر قائل اسلام سے خارج ہو جاتا ہے اور مسئلہ دائرہ میں یہی فتویٰ ہمارے علمائے کرام کا ہے ...... مفتی نظام الدین اور دیگر اساتذہ اشرفیہ نے جو فتویٰ صادر کیا وہ ضابطہ سے منحرف ہے اور خود ان کے فتویٰ سے معارض ہے...... بہرائچ کے فتویٰ میں اگر مسائل محقق جدیدہ کے ایک دوسرے فتویٰ سے معارضہ قائم کیا گیا تو اس میں کیا برائی ہے؟ دیکھیے تو سہی ایک غلط قول کو صحیح ٹھہرانے کے لیے انسان کو کہاں کہاں جانا پڑتا ہے اور وہ جہاں جہاں جاتا ہے مصیبت اس کے ساتھ جاتی ہے...... انسان کو ہمیشہ سچائی کا راستہ اختیار کرنا چاہیے اور اس سے منحرف ہونے کی قطعی کوشش نہیں کرنی چاہیے شرعی قانون وہ قانون ہوتا ہے جو سب پر حاوی اور فائق رہتا ہے شخصیت خواہ کتنی بڑی کیوں نہ ہو شریعت کے دائرہ میں آتی ہے مگر دور حاضر کا انسان بھی کیا انسان ہے جو کبھی کبھی شخصیت پرستی کے دلدل میں پھنس جاتا ہے اور پھر اس کی زبان سے وہی نکلتا ہے جو آقا کا حکم ہوتا ہے قلم بھی وہی لکھتا ہے جو اشارۂ ابرو ہوا کرتا ہے حب مفرط کا یہ وہ نشہ ہوتا ہے جو انسانی ذہن و دماغ پر حاوی ہو جاتا ہے اور پھر اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انسان خود اپنا کہا بھول جاتا ہے یا پھر اپنی کہی باتوں کی معنوی حیثیت سے استفادہ نہیں کر پاتا ہے یہاں بھی کچھ اسی قسم کا حادثہ پیش نظر ہے...... مفتی محمد نظام الدین صاحب نے جس فتویٰ کی تصدیق فرمائی ہے اس کی تصدیق ہر کوئی کر دے گا کہ وہ فتویٰ صحیح بالکل صحیح ہے اور عبید اللہ خاں کے تعلق سے جو فتویٰ اشرفیہ سے جاری کیا گیا اس کا معارض ہے۔ مگر مولانا عبدالحق صاحب اس کو معارض ماننے کو تیار نہیں ...... پتہ نہیں مولانا اس کی معنوی حیثیت کے دشمن کیوں بنے

ہوئے ہیں؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ ترقی کی دوڑ میں مولانا کسی رقابت کے شکار ہوں جہاں تک کلمہ کفر صریح اور اور کفر صریح کی بات ہے اس سلسلہ میں عرض ہے کہ مولانا نے ان دونوں کے مابین جو فرق و امتیاز بتایا ہے یہ کوئی اصطلاح نہیں ہے اور نہ ہی کسی کا عندیہ ہے یہ تو ہر عالم کی اپنی اپنی سوچ ہے مگر گہری نظر سے دیکھا جائے تو اس میں کوئی فرق نہیں ہے کہ کفر صریح کا انطباق کلمہ یا عمل پر ہوتا ہے خواہ کفر فقہی ہو یا کفر کلامی؟ اسی لیے کہیں کلمہ کا ذکر کیا جاتا ہے اور کہیں نہیں کیا جاتا ہے بہر حال اگر دونوں میں فرق ہے ہی تو کیا ضرورت ہے کہ اس فرق کے نہ جاننے والوں کو جاہل اور گنوار کہا جائے اور قصوروار ٹھہرایا جائے ...... اب آیئے اس پر تحقیقی نظر ڈالتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ اس کی حقیقت کیا ہے؟

سوال: ہم ہمارے ملکی برادران کے جذبات کو ان کے ''دیوتا کی باتوں'' کو ان کے پیشواؤں کو عزت دیتے ہیں۔ وہ بھی ایسی ہی عزت ہماری طرف رکھیں ایسی بھی امید رکھتے ہیں۔

الجواب: کفار کے مذہبی جذبات اور ان کے دیوتاؤں اور پیشواؤں کو عزت دینا صریح کلمۂ کفر ہے...... قال اللہ تعالیٰ: وللہ العزۃ ولرسولہ وللمؤمنین لکن المنفقین لا یعلمون عزت تو خاص اللہ اور اس کے رسول اور مسلمانوں کے لیے ہے مگر منافقوں کو خبر نہیں ان کے دیوتاؤں اور پیشواؤں اور مذہبی جذبات کا اعزاز درکنار جو ان کے کسی فعل کی تحسین کرے باتفاق ائمہ کافر ہے۔ غمز عیون البصائر میں ہے: من استحسن فعلا من افعال الکفار کفر باتفاق المشائخ ان لوگوں پر فرض ہے کہ ایسی باتوں سے توبہ کریں، تجدید اسلام کریں تجدید نکاح کریں۔ (فتاویٰ رضویہ ج:۶ ص ۱۲۵ء)

حضرات گرامی!

یوں تو میں تفقہ کا دعویٰ نہیں کرتا اور نہ ہی میں کسی کو پڑھانے کی بات کرتا ہوں کہ ہمارے اساتذہ میں سے کسی بھی استاذ نے بڑوں کی بارگاہ میں دعوی علم وفکر اور بے ادبی کرنے کی اجازت نہیں دی ہے حضور شمس العلماء برابر اپنے شاگردوں کو اس بات کی تلقین

فرماتے تھے کہ کسی کے ادعائے علم سے ڈرنا نہیں اور اگر کوئی بڑا ہو تو ان سے ادب سے بات کرنا...... وہ کوئی اور مٹی ہوتی ہے جس کا ہر ایک ذرہ سوء ادبی کا شکار ہوتا ہے...... اس کا نمونہ ابھی آپ نے دیکھ ہی لیا ہے اس کے زلف پیچاں کا کون کون شکار نہیں ہوا ہے اور جو باقی بچے ہیں وہ اب ہو رہے ہیں یا پھر کل آئندہ ہوں گے...... اصل مدعا یہ ہے کہ صریح کلمۂ کفر اور صریح کفر میں کیا فرق ہے مولانا نے فرمایا: صریح کلمۂ کفر سے مراد ''کفر فقہی'' ہے اور ''صریح کفر'' سے ''کفر کلامی'' مراد ہے اور ہمارا ماننا ہے کہ ایسا کچھ بھی نہیں ہے ان کی بھی دلیل اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے مبارک فتویٰ کی مذکورہ عبارت ہے اور میری بھی دلیل یہی ہے

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے اپنے فتویٰ میں خط کشیدہ عبارت: ''صریح کلمۂ کفر'' فرمایا یہاں کلمہ لانے کی ضرورت اس لیے پیش آئی کہ سوال میں کلمات کے ذریعہ ہی عزت دینے کے بارے میں پوچھا گیا ہے جیسا کہ سوال میں ذکر کیا گیا ہے ان اراکین کے حق میں جو ہادی بن کر اپنی تقریروں میں ذیل کے اقوال فرمائے اور ان اراکین کا حکم بھی بیان فرمائیں جنہوں نے ان کے اقوال گجراتی زبان میں بعینہ نقل کیے اور چھاپ کر مسلمانوں میں تقسیم کیے اور کرتے ہیں۔ (حوالہ سابق)

سوال کی اسی عبارت کی مناسبت سے کلمہ کا ذکر کیا گیا ہے۔ اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ اس سے مراد ''کفر فقہی'' ہے اور کفر فقہی کا حکم یہ ہے کہ اس کے قائل کو کافر نہیں کہا جائے گا جیسا کہ مولانا نے کئی ایک مقام پر اس کا ذکر کیا ہے تو پھر اعلی حضرت کے اس حکم کا کیا محل رہا؟ کہ اور اس کا مصداق کون ہو سکتا ہے؟ حکم یہ ہے ان لوگوں پر فرض ہے ایسی باتوں سے توبہ کریں تجدید اسلام کریں تجدید نکاح کریں۔

مولانا سے سوال ہے مذکور حکم کفر فقہی کا ہے یا کفر کلامی کا ہے اگر یہ حکم کفر فقہی کا ہے تو پھر آپ کا یہ کہنا کہ ''کفر فقہی'' میں قائل کو کافر نہیں کہا جاتا ہے کیونکر درست ہو سکتا ہے؟ اور اگر یہ حکم ''کفر کلامی'' کا ہے اور یہی ذہن سے زیادہ قریب ہے تو آپ کا ''صریح کلمۂ کفر'' سے کفر فقہی مراد لینا درست نہیں...... دوسرا سوال یہ پیدا ہوتا کہ اعلیٰ حضرت نے فرمایا: ان کے

دیوتاؤں اور پیشواؤں اور مذہبی جذبات کا اعزاز درکنار جو ان کے کسی فعل کی تحسین کرے باتفاق ائمہ کافر ہے۔ (حوالہ سابق)

اس عبارت میں جو لفظ "درکنار" ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کے دیوتاؤں، پیشواؤں اور مذہبی جذبات کا اعزاز کفر میں زیادہ شنیع ہے اس کے برخلاف ان کے کسی فعل کی تحسین میں کفری اعتبار سے شناعت کم ہے اور اس کم شناعت والے کفر کا حکم یہ ہے کہ تمام ائمہ کے نزدیک کافر ہے اسلام سے خارج ہے تو زیادہ شناعت رکھنے والا اعزاز باعث تکفیر کیوں نہیں...... مولانا اس بات کی بھی وضاحت فرمادیں کہ اعلیٰ حضرت نے جن افراد پر حکم کفر عائد کیا ہے وہ کون لوگ ہیں اور ان کا جرم کیا ہے؟ میں آپ سے اس لیے پوچھ رہا ہوں کہ آپ مجھ سے بڑے ہیں اور اس قدر بڑے ہیں کہ مجھ سے بڑے بڑوں کو الموت الاحمر پڑھانے اور سمجھانے کی صلاحیت رکھتے ہیں...... اس سے اس بات کا بخوبی اندازہ ہوجاتا ہے کہ کہیں کلمہ کا لانا اور کہیں نہ لانا صرف اسلوب کے تقاضوں کے پیش نظر ہوا کرتا ہے۔ اس کے علاوہ کوئی اور مقصد نہیں ہوتا ہے...... معلوم نہیں کہ آپ کا تفقہ کس قدر پاورفل ہے؟ کہ بہت دور سے نہیں بلکہ پاتال سے کوڑی لاکر اس طرح چسپاں کردیتے ہیں کہ کسی کو احساس تک نہیں ہوتا...... ہوسکتا ہے یہ صرف آپ کی خصوصیت ہو اور کسی میں یہ خوبی نہ پائی جاتی ہو۔ ماشاء اللہ اس فن میں تو آپ کو مجدد کا درجہ حاصل ہے اس فن میں خود آپ تنہا ہیں زہے نصیب مبارک ہو، مبارک ہو اور سو بار مبارک ہو بلکہ ہزار بار مبارک ہو...... مولانا آپ کے ممدوح کی تقریر سے رام کا اعزاز ظاہر ہوتا ہے جو صریح کفر ہے اس بات کے اعتراف میں کیوں خائف ہیں؟ کس بات کا ڈر ہے؟ دارالافتاء کو بے باک اور نڈر رہنا چاہیے۔۔

یوں تو ابھی کہنے کو بہت کچھ باقی ہے۔ کہ مولانا نے ایک دو نہیں بلکہ بہت سی خطائیں کی ہیں اور اب بھی خطا پر خطا ہو رہی ہے مگر دعویٰ یہ ہے کہ ہم تو ایسا نہیں کرتے۔ اس طرح کی خطا کرنا اس دور میں کوئی عیب نہیں بلکہ ہنر اور کمال ہے...... اور اس کے سوا کیا ہے؟ ایک خاص بات کی طرف آپ کی توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں۔ اس سے چند مہینے قبل اسی مسئلہ

کے تعلق سے ایک مضمون لکھنے والے نے لکھا جو اس کتاب میں شامل ہے وہ مضمون اجمال تھا اور یہ کتاب اس اجمال کی تفصیل ہے......قارئین مطالعہ کر کے اس بات کا اندازہ لگا سکتے ہیں اس بارے میں زیادہ کچھ کہنے کی ضرورت نہیں فرق یہ ہے کہ اس مضمون کا لکھنے والا ''مرشد انصاری'' تھا اور اس کتاب کے مؤلف کا نام ''عبدالحق خاں'' ہے مگر دونوں میں کافی حد تک مناسبت پائی جاتی ہے اس لیے ''ہمزہ غمزہ'' کچھ اور بتا تا ہے۔

☆☆☆☆☆☆

باب سیزدہم

ابحاث کا خلاصہ

مسئلہ دائرہ کے تعلق سے باتیں تو بہت کچھ ہو گئیں...... علمی، فقہی اور فکری مضامین بھی لکھے جا چکے ہیں...... مقالے اور کتابیں بھی منظر عام پر آ چکی ہیں مگر اس کا خاطر خواہ اب تک کوئی فائدہ نہیں نکلا اور نہ ہی آئندہ اس بارے میں کوئی امید کی جا سکتی ہے اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ ہم جن افراد سے مخاطب ہو رہے ہیں وہ ایسی مٹی کے نہیں جو زرخیز ہو اور بارش کے برسنے سے نم ہو جائے بلکہ یہ مٹی اس قدر سخت ہے کہ اس پر فرہاد کا تیشہ بھی کام نہیں کرتا...... ہم تو دفاع کرتے ہیں اور اس طرف سے حملے ہوتے ہیں...... ہم انہیں پھول عطا کرتے ہیں اور اُدھر سے جواب میں پتھر ملا کرتا ہے۔ خیر یہ ان کا ظرف ہے اور یہ ہمارا ظرف ہے ......اس لیے میں نہایت ہی ادب واحترام کے ساتھ تمام بحثوں کا خلاصہ پیش کر رہا ہوں تاکہ یہ خلاصہ کسی کے کام آسکے......

الف ...... یہ خطیب ہمارا خطیب ہے، کامیاب اور بہترین خطیب ہے ...... اہلسنت وجماعت کا ترجمان ہوا کرتا تھا...... جسے اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کی ذات وشخصیت فقہی بصیرت پر بولنے کا ملکہ حاصل تھا...... سال میں تین سو ساٹھ دن ہوا کرتے ہیں اور اس کا پروگرام اس سے کہیں زیادہ ہوا کرتا تھا۔ اس خطیب پر ہماری جماعت کو ناز تھا اور علمائے اہلسنّت کو فخر تھا...... مگر افسوس اپنے ہی کردار وعمل سے راہ سے بے راہ ہو گیا۔

ب...... جماعت کا جو فرد ہوتا ہے اس کی دوہری ذمہ داری ہوتی ہے...... ایک طرف اس کے سامنے فردیت کا مسئلہ ہوتا ہے اور اس کے اپنے تقاضے ہوتے ہیں۔ دوسری طرف اس کے سامنے جماعت ہوتی ہے، جماعتی نظام ہوتا ہے اور ان کے الگ تقاضے ہوتے ہیں ...... جماعتی نظام کسی فرد، فردیت اور اس کے تقاضوں کو نظر انداز نہیں کرتا ہے مگر اس بات کی تلقین کرتا ہے کہ کوئی بھی فرد اپنے کردار و عمل اور اور فکر و نظر سے جماعت اور اس کے تقاضوں کو زک نہ پہنچائے۔

ج...... جماعتی نظام کسی فرد کو قطعی اس بات کی اجازت نہیں دیتا ہے کہ وہ غیر محفل میں جائے ...... شرکت کرے اور غیروں کی تعریف کرے ...... اسے دوست بنائے یا خود ان کا دوست بنے ...... کہ اس سے جماعت کی بدنامی ہوتی ہے اور غیروں کو زبانیں چلانے کا موقع ملتا ہے خواہ وہ محفل اہلِ بدعت کی ہو یا ارباب کفر وارتداد کی ...... کہ ایسوں کی محفل میں جانے سے ان کا تو کوئی نقصان ہوتا نہیں ہے بلکہ اپنا ہی نقصان ہو جاتا ہے اور امتیاز اہلِ سنت کی شان پر دھبہ آتا ہے ذرا سوچیے بھلا ایسی صورت میں کس طرح اجازت دی جا سکتی ہے؟

د...... غیروں کی محفلوں میں ہی جانے کا نتیجہ ہے کہ آج اربابِ علم وفن اور جبہ و دستار والے صلح کلیت کی وکالت کرنے لگے اور امتیاز اہلسنت یعنی مسلک اعلی حضرت اور بریلویت جیسی اہم اصطلاحوں پر انگشت نمائی کی جانے لگی ہے ...... اور اپنے اپنے انداز میں "السواد الاعظم، عرفان مذہب وملت قدیم وجدید...... جیسی کتابیں شائع ہوئیں۔

س...... رام کتھا کی محفل مذہبی محفل ہوتی ہے یہ کوئی سیاسی، سماجی اور علمی محفل نہیں ہوتی ہے اس کے مذہبی محفل ہونے کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ اس محفل میں رام کے تعلق سے ہی بیان کیا جاتا ہے اور رام ہی کے اوصاف وکمالات بیان کیے جاتے ہیں...... کتھا کی یہ محفل ان افراد سے منسوب نہیں جن کے نام ہی رام ہیں یا جن کے نام کا ایک جز رام ہے جیسے رام پال...... رام گوپال اور رام سروپ وغیرہ بلکہ اس رام سے منسوب ہوتی ہے جسے دیوتا کی حیثیت حاصل ہے۔

ش...... پورے ہندوستان میں رام کو دیوتا کی حیثیت سے جانا جاتا ہے اور اس حیثیت سے اس کی اس قدر شہرت ہے کہ جب کوئی رام بولتا ہے تو عام لوگوں کا ذہن اسی رام کی جانب جاتا ہے جو کفّار و مشرکین کا معبود ہے...... ہندو مذہب کے لوگ تو رام کو دیوتا مانتے ہی ہیں اس میں تو کسی کو کوئی شک و تردد نہیں ہوسکتا ہے...... اب بات رہی غیر ہندوؤں کی تو اس بارے میں عرض ہے کہ مسلمانوں کے درمیان بھی رام کی شہرت ہندوؤں کے دیوتا کی حیثیت سے ہے۔

ص...... رام کی تاریخی حیثیت ہندوؤں کے یہاں کیا ہے اس بات کو وہ جانیں ...... مگر مسلمانوں کے یہاں اس کی کوئی تاریخی حیثیت نہیں ہے بلکہ فرضی اور موہوم تصور کا نام رام ہے اس لیے اس کے ذاتی اوصاف و کمالات کی طرف کسی کا دھیان نہیں جاتا ہے مسلمانوں کا اس طرف دھیان اس لیے نہیں جاتا ہے کہ اس کا وجود فرضی ہے اور ہندوؤں کے یہاں اس لیے جاتا ہے کہ رام ان کا دیوتا ہے۔ اس بنیاد پر یہ بات یقین کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ رام کتھا میں جس نے بھی جو کہا اور جس نے بھی جو سنا دیوتا کی حیثیت سے کہا ہے اور سنا بھی ہے......

ص...... دیوتا کے بارے میں جو کچھ بھی کہا جاتا ہے یا کہا جائے گا اس کا جو وصف بھی بیان کیا جاتا ہے یا بیان کیا جائے گا وہ دیوتا کی تعریف ہوگی...... دیوتا کی عزت ہوگی...... اور دیوتا کا اعزاز ہوگا جو کفر ہے...... اس مقام پر یہ شق نکالنا کہ یہاں اس کے ذاتی اوصاف وکمالات بیان کیے گئے ہیں غلط اور محض غلط ہے...... شق وہاں نکالی جاسکتی ہے جہاں تاریخی حیثیت زیادہ پائدار ہو اور اس پائداری کے مقابلہ میں اس کا بت ہونا ناپائدار ہو جیسے ود، سواع، یعوق، یغوث اور نسر وغیرہ...... کہ ان اسماء کی وضع اول ذوات، اشخاص اور افراد کے لیے ہوئی ہے بعد میں اور بہت بعد میں ان کی وضع ثانی بتوں کے لیے ہوئی ہے اور یہ وضع بھی ان کی طرف سے کی گئی جو وضع کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے۔ مسلمانوں کے ذہن و دماغ میں آج بھی ان کی ذوات ہی محفوظ ہیں...... اب اگر کوئی ان کی تعریف و توصیف کرے

گا تو اس میں کوئی شرعی قباحت نہیں ہوگی مگر اس شرط کے ساتھ کہ ان کی تعریف اپنی محفل میں کرے اور اگر انہیں معبود ماننے والوں کی محفل میں تعریف کرے گا تو اگر چہ یہ کفر نہیں ہے مگر حرام ضرور ہے...... یہ شق رام کے بارے میں نہیں نکالی جاسکتی ہے جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں۔

ض ......اسی طرح یہ شق وہاں بھی نکالی جاسکتی ہے جو عام کفار میں سے ہو کہ یہ کافر ہے بت نہیں ہے اور نہ ہی یہ دیوتا ہے فقہاء کرام نے ایسے ہی کافروں کے بارے میں فرمایا کہ اگر کسی کافر کی تعریف اس بنیاد پر کی جائے کہ وہ کافر ہے تو یہ باعث کفر ہے اگر تعریف اس بنیاد پر کی جائے کہ وہ محسن ہے اخلاق مند ہے ہمدرد ہے تو یہ کفر نہیں ہے اسی بنیاد پر کسی مجوسی کے یہاں دعوت میں جانا جائز ہے۔

ط......جب کسی کے تعلق سے حکم کفر صادر ہو جائے تو فوری طور پر توبہ کر لینی چاہیے اور جہاں تک ممکن ہو اس میں تاخیر نہیں کرنا چاہیے...... ممکن ہے تاخیر کرنے کی صورت میں کوئی تاخیر ہو جائے اور توبہ نصیب نہ ہو۔

ظ......جو لوگ توبہ کی راہ میں آڑے آرہے ہیں وہ شیطان کے کاموں کو آسان کر رہے ہیں اور گناہوں کو اپنے سروں پر لاد رہے ہیں...... کسی حمایت اور تائید پر زیادہ نہیں اترانا چاہیے ہوسکتا ہے جسے آپ اچھا کہہ رہے ہیں کل وہ بُرا ثابت ہو جائے اور آپ کے علاقے میں ایسا ہونا کوئی بڑی بات نہیں ہے کہ اس قسم کے حادثے تو شہرستانِ فکر و فن میں ہوتے رہے ہیں اس میں کوئی حیرت کی بات نہیں ہے

سنبھل کر پاؤں رکھنا میکدے میں شیخ جی
یہاں پگڑی اُچھلتی ہے اسے میخانہ کہتے ہیں

ع......انصاف پسند وہ انسان ہوتا ہے جو اپنے گناہوں کے تدارک کی کوشش کرتا ہیا ور لیت ولعل سے کام نہیں لیتا ہے ایسا انسان بیجا تاویلات سے کام نہیں لیتا ہے اب تک کے منظر نامہ سے ثابت ہوتا ہے کہ مسئلہ دائرہ کے تعلق سے مختلف قسم کی تاویلیں کی گئیں ہیں۔

(۱)......سب سے پہلے یہ تاویل کی گئی کہ خطیب صاحب نے اپنی تقریر میں انہیں

خیالات سے ان پر حجت قائم کی ہے۔اس بنیاد پر خطیب پر کوئی شرعی حکم عائد نہیں ہوتا ہے حالانکہ حجت وہاں قائم کی جاتی ہے جہاں بحث ومباحثہ اور فکر ونظر کی محفل ہوتی ہے اور یہاں سرے سے اس قسم کی محفل کا وجود نہیں ہے تو حجت قائم کرنے مسئلہ ہے ہی نہیں۔

(۲)......دوسری تاویل یہ کی گئی ہے کہ یہاں خطیب نے رام کے ذاتی اوصاف و کمالات کا ذکر کیا ہے اور اس طرح کا ذکر کرنا شریعت میں جائز ہے۔یہ تاویل بھی درست نہیں ہے جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں لہٰذا یہ تاویل بھی غیر مسموع ہے۔

جب دونوں قسم کی تاویلیں غیر مسموع اور غیر معقول ثابت ہو گئیں تو اب صرف ایک ہی صورت باقی رہ جاتی ہے اور وہ صورت یہ ہے کہ

ہمارے علمائے کرام نے جو فتویٰ صادر کیا ہے اسے تسلیم کر لیجیے اور اس پر عمل کرتے ہوئے خلوص و پیار اور عشق و وفا کا ثبوت فراہم کیجئے اور یہ صرف توبہ وتجدید اسلام اور تجدید نکاح سے ثابت ہوتا ہے،اس کے علاوہ کسی اور صورت سے یہ ثبوت فراہم نہیں ہوتا ہے

جو کسی مرض کا علاج کرتا ہے وہ دشمن نہیں ہوتا ہے بلکہ دشمن وہ ہوتا ہے جو انسان کو جھوٹی تسلی دیتا ہے اور لوریاں دے کر سلانے کی کوشش کرتا ہے......اب دیکھتے ہیں بادل کب پھٹتا ہے......ظلمتیں کس وقت دور ہوتی ہیں اور فوز وفلاح کا کب سویرا ہوتا ہے،ہم اس کے لیے سراپا انتظار ہیں۔

میں دعا کرتا ہوں اللہ پاک ہم سب کو توبہ واستغفار کرنے کی توفیق نصیب کرے۔

آمین ثم آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم۔

محمد شمشاد حسین رضوی

پرنسپل

مدرسہ شمس العلوم گھنٹہ گھر بدایوں شریف یوپی

۲۸ ر ذوالحجہ ۱۴۳۶ھ مطابق ۱۲ را اکتوبر ۲۰۱۵ء

آفتاب و ماہتاب



مصنف

مفتی محمد شمشاد حسین رضوی (ایم-اے)

ناشر

حضرت نخشبی اکیڈمی بدایوں